فبروری Feb. 2022

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

قیمت: -/20 روپے

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی
www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

فروری 2022 Feb جلد:4 Vol: شمارہ: 48 Issue:

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ	صفوۃ الرحمٰن صابر	۷
۴	ادبِ اطفال کی فنی خوبیاں	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۱۰
۵	غزل	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۱۳
۶	ہارون رشید غافل کی شخصیت اوران کی شاعرانہ بصیرت	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۴
۷	غزل	غازی رحمت اللہ رحمت	۱۷
۸	انسان دوستی	انصار احمد معروفی	۱۸
۹	پدری شفقت	محمد یٰسین ہابیل	۲۰
۱۰	صحافت کی اخلاقیات	مصطفیٰ علی	۲۱
۱۱	غزل	سردار سلیم	۲۴
۱۲	ماہر شبلیات ڈاکٹر الیاس اعظمی	جمال عباس فہمی	۲۵
۱۳	اے کاش.....	خیر النساء علیم	۲۹
۱۴	حیدرآباد دکن میں اقبال شناسی: ایک جائزہ	ڈاکٹر محمد ناظم علی	۳۱
۱۵	اردو ناول نگاری میں خواتین کا حصہ	صبیحہ شمیم	۳۳
۱۶	خورشید کامگار ہیں الیاس اعظمی	ضیا فاروقی	۳۵
۱۷	استانی ماں	سید عظمت اللہ بیابانی	۳۶
۱۸	میڈیا کی معاشرتی ذمہ داری	ڈاکٹر محمد خواجہ مخدوم محی الدین	۳۸

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین**

عرف ولی مرحوم حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی۔ صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید جلیل حسین ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد ذکریا انجینئر

(داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ) مقیم حال دبئی

ڈاکٹر شہباز احمد

پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج، چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر** سعودی نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمرالدین، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم۔ صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

حجاب مسکان خان صوبہ کرناٹک کی بیٹی کی جرأت و بہادری کی وجہ سے موجودہ حالات میں برقی ورقی میڈیا اور عوام الناس کی زبان پر ایک ہی بات سنائی دے رہی ہے کہ حجاب ضروری ہے کہ نہیں! اس کا جواب بس ایک ہی ہے کہ ملک کی فضا کو موجودہ حکومت اور چند سیاسی لوگوں نے کچھ ایسا بنا دیا ہے کہ لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور دو مذاہب کے درمیان نفرت کی دیوار کو حائل کر دیا گیا ہے جو کہ اس ملک کے لیے بڑا نقصان ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کا ایمان وعقیدہ ہے کہ پردہ' حجاب جزولاینفک ہے۔ عمل پیرا ہوں گے تو ثواب ملے گا نہیں تو گناہ۔ یہ بات ہر مسلم لڑکی اور خاتون جانتی ہے اور ہندوؤں کے یہاں بھی گھونگھٹ وغیرہ قدیم زمانے سے موجود ہے۔ عریانیت، بے پردگی ہندوستانی تہذیب وثقافت میں بلاتفریق مذہب وملت کے کسی بھی طرح سے میل نہیں کھاتی، اس وجہ سے خواتین کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ ملک میں جمہوری نظام رائج ہے اور جمہوریت میں سب کو اپنے مذہب اور پسند کا اختیار ہوتا ہے۔ ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد مسکان خان کی جرأت و بہادری کو سلام کرتا ہے اور تابناک مستقبل کے لیے دعا گو ہے۔

نظر اور نظریے نے ہمارے ملک کے تقریباً سبھی تعلیمی اداروں اور شعبوں میں کرناٹک جیسی صورتِ حال پیدا کر دی ہے، جب ناگفتہ بہ حالات کا وجود ہوتا ہے تو مثبت اور منفی پہلو کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حجاب مسکان خان کے معاملے میں ہوا۔ ایک طبقہ حجاب کے خلاف کھڑا ہو گیا اور دوسرا طبقہ انعامات کی اور مبارک بادی کی مسابقتی طور پر کھڑا ہوتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ جبکہ میڈیا کے سوال پر حجاب مسکان خان نے بہترین جواب دیا کہ میں حالات میں گھر گئی تھی، اس وجہ سے میں نے اپنے اللہ کو یاد کیا، جس سے مجھے ہمت ملی، میں نے ہندو مسلمان کرنے کے لیے اللہ اکبر کا نعرہ نہیں لگایا اور میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارے ملک میں سب مل جل کر رہیں، ہندو مسلمان کا آپس میں لڑنا بہت غلط ہے۔ یہ پورا واقعہ امت مسلمہ کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم اپنے ادارے قائم کریں، جن میں ہماری تہذیب اور تشخص برقرار رہے اور برادرانِ وطن کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ہمارا ملک مختلف مذاہب کا گلدستہ ہے اور ہر ایک کو اپنے مذہب اور تہذیب پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔

رکن پارلیمان نقیب ملت بیرسٹر اسدالدین اویسی صدر کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کو میرٹھ اتر پردیش میں دو ناعاقبت اندیش نے گولیوں سے مار ڈالنے کی ناکام کوشش کی۔ ادارہ اس حرکت کی شدید مذمت کرتا ہے اور حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجرمین کو سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ اس طرح کی ناپاک حرکت کا اعادہ نہ ہو اور ادارہ نقیب ملت بیرسٹر اسدالدین اویسی کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے آمین۔

ماہِ فروری ۲۰۲۲ء کا یہ ہمارا ۴۸ رواں شمارہ ہے، کامیابی کے ساتھ چار سال پورے ہونے پر ادارہ اپنے سبھی معاونین، قلمکار، تخلیق کار کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ سابق کی طرح آپ لوگوں کا تعاون جاری رہے گا۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک دفعہ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں، انہوں نے وطن پوچھا، بولیں، حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں؟ بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے، فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردوں کو پردوں کی قید کے ساتھ اجازت دی، لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرور نہ تھے، لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے، بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔

معمول تھا کہ رفعِ حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے، مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا، حدودِ حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا: (اگرچہ تمام صحابہؓ آپؐ کے جاں نثار خادموں میں داخل تھے، بایں ہمہ آپؐ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہؓ، ابوسعید خدریؓ اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ **کان یخدم نفسہ** یعنی آپؐ اپنے کام خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپؐ گھر میں کیا کیا کرتے تھے، جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ بن مالک خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا، آپؐ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں، ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپؐ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں، تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپؐ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہے، آپؐ نے خود دستِ مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۶۹/۲۷۰)

مولوی صفوۃ الرحمن صابر۔ حیدرآباد

نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدائش وخاندانی حالات

نبینا وسیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹؍ربیع الاوّل م۲۲؍اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض مورخین نے ۱۲؍ربیع الاوّل لکھی ہے مگر چونکہ دوشنبہ کے دن پر سب کا اتفاق ہے اور دوشنبہ کا دن ۹؍ربیع الاوّل کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا اس لیے ۹؍ربیع الاوّل ہی کو صحیح سمجھنا چاہئے۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد اور بعض روایات کی رو سے آپ کی والدہ نے احمد رکھا۔ عیسیٰؑ نے اپنے بعد آنے والے نبی کا نام احمد کہا ہے۔ (الصّف:۶) انجیل میں بھی آپ کا نام احمد ہے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ توریت میں نام محمدؐ ہے۔ آپ ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔ بادشاہِ مصر کی بیٹی ہاجرہ اور ابراہیمؑ کی ایک بیوی تھیں ان کے بطن سے اسماعیلؑ (ذبیح اللہ) پیدا ہوئے جو ابراہیمؑ کے پہلے بیٹے تھے۔ اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے۔ ان میں سے ایک بیٹے قیدار جن کا ذکر تورات میں بکثرت ہے بہت مشہور تھے۔ ان کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ ان کی اولاد میں عدنان اور عدنان کی اولاد میں قصّی بن کلاب نے نہایت عزت واقتدار حاصل کیا۔ قصّی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والوں کو پانی پلانے کا انتظام اور ان کے کھانے پینے کا انتظام جو خُدّام کعبہ کا سب سے بڑا منصب تھا۔ انہوں نے ہی قائم کیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش ان کا ہی لقب تھا۔ قصّی کے چھ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عبدمناف تھا۔ باپ کے بعد امارت وریاست عبدمناف نے حاصل کی۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور بااثر تھے۔ زائرین کعبہ کے آب وطعام کی خدمت کا منصب جو ایک اہم منصب سمجھا تا ہے ہاشم نے حاصل کیا اور اس کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ زائرین کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر رکھتے۔ تجارت کو بہت ترقی دی۔ قیصرِ روم سے خط وکتابت کرنے کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسبابِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ قبائل میں امن وامان قائم کیا۔ ان ہی کے ایک پوتے عبداللہ ابن مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ آمنہ بھی آپؐ ہی کے قبیلے کے ایک ایسے سردار کی بیٹی تھیں جو اسماعیلؑ ہی کی نسل سے تھے۔ غرض ددیال اور ننہیال دونوں طرف سے آپ عرب کے معزز قوم وقبیلے سے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر ہی میں تھے کہ آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ آپ کی پیدائش سے آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو بے حد خوشی ہوئی۔ انہوں نے ہی آپ کی پرورش کھلی فضاء میں کی۔ شرفائے عرب کا دستور تھا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو دودھ پلانے کے لیے دیہات کے رہنے والوں کے سپرد کردیتے تاکہ بچہ دیہات کی سادہ زندگی اور محنت ومشقت کا عادی ہو۔ اسی دستور کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دائی

حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا گیا وہ ہر چھٹے مہینے بعد آپ کو لا کر والدہ اور دیگر اقرباء کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس کے بعد دودھ چھڑایا گیا۔ دائی حلیمہ آپ کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس آئیں۔ آپ کی والدہ اس خیال سے کہ دیہات کی صحت بخش آب وہوا آپؐ کے موافق تھی پھر آپؐ چھ برس کے ہوئے تو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا اور دادا نے پرورش ونگرانی اپنے ذمے لی مگر دو سال بعد ہی دادا نے بھی وفات پائی اور اپنی وفات سے قبل آپؐ کو اپنے بیٹے ابوطالب کی نگرانی میں دے دیا۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ اپنے ساتھ لے کر سوتے۔ باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ کی یتیمی کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے۔

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی: کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا (الضحیٰ:۶)

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دس بارہ برس کے ہوئے تو عرب کے عام دستور کے مطابق بکریاں چرایا کرتے تھے۔ زمانہ نبوت میں آپؐ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا جو سیاہی مائل ہوجاتی ہیں وہ زیادہ مزے کی ہوتی ہیں۔ یہ میرا اس وقت کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب آپؐ سن رشد کو پہنچے تو تجارت کا خیال ہوا یہ آپؐ کا خاندانی پیشہ تھا۔ ابو طالب بھی تاجر تھے۔ ان کی صحبت میں تجارت کا کافی تجربہ حاصل ہوگیا تھا۔ مگر چونکہ ذاتی سرمایہ نہ تھا اس لیے دوسروں کی شرکت میں تجارت شروع کی اور تھوڑی ہی مدت میں آپؐ کی راست بازی، دیانت، صاف گوئی، معاملہ فہمی، حسن تدبیر اور خوش اخلاقی کی شہرت ہوگئی اور آپ صادق وامین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ مکہ میں ایک شریف خاندانی بیوہ بی بی خدیجہ تھیں اور بہت مالدار بھی، وہ اپنا سرمایہ تجارت میں لگائے رکھتی تھیں۔ انہوں نے آپؐ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپؐ کی دیانت وسلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے آپ سے درخواست کی کہ ان کے سرمائے سے آپؐ تجارت کریں۔ آپ ان کا مال لے کر تجارت کو گئے اور بہت نفع ہوا۔ اس تجارتی سفر میں بی بی خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اس نے سفر سے واپسی کے بعد آپؐ کی ان تمام خوبیوں اور صاف گوئی کا حال بی بی خدیجہ کو سنایا بی بی خدیجہ خود بھی بہت نیک تھیں انہوں نے ایسے صادق وامین شریک تجارت کو اپنا شریکِ حیات بھی بنالینا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی آپؐ سے نکاح کی درخواست کی۔ جسے آپؐ نے منظور فرمالیا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست نکاح رد کر چکی تھیں۔ غرض تاریخ مقررہ پر اپنے چچا ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان کے ساتھ آپؐ خدیجہ کے مکان پر تشریف لائے۔ پانچ درہم مہر پر آپ کے چچا ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھایا۔ اور رشتہ مودت ومحبت قائم ہوگیا۔ اس رشتہ سے آپؐ کے مالی تفکرات بھی کم ہوگئے۔ آیتِ کریمہ:

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی :اور اللہ نے آپ کو نادار پایا تو غنی کردیا (ضحیٰ:۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسی انعام کی طرف اشارہ ہے۔

عرب بہادر تھے۔ اور جنگجو بھی تھے۔ لڑ پڑنے کے لیے حیلے ڈھونڈتے تھے۔ بات بات پر ایسی خون ریز لڑائیاں چھڑ جاتیں کہ گھرانے برباد ہوجاتے اور یہ ایک موروثی وصف بن گیا تھا۔ قوم کا یہ حال دیکھ کر بعض امن پسند لوگوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی اور قیام امن وحفاظت حقوق کی ایک انجمن قائم کی گئی۔ اس تحریک میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش پیش اور قیامِ امن کے معاہدہ میں شریک تھے۔ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے

آج بھی اگر کوئی ایسے کام کے لیے بلائے تو میں بخوشی تیار ہوں۔

تعمیر کعبہ

خانہ کعبہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ یہ زمین پر اللہ جل شانہ کی عبادت کا پہلا گھر رہ چکا تھا اور آج تک بھی باقی ہے۔ جو لوگوں کے لیے ہدایت اور مقام امن بنادیا گیا تھا۔ ''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ'' (آل عمران:۹۶) یقیناً جو مکان سب سے پہلے لوگوں کے لیے (برائے عبادت) مقرر کیا گیا وہ مکہ میں بہت برکت والا اور سارے جہان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مورثِ اعلیٰ ابراہیمؑ اور ان کے فرزند اکبر اسماعیلؑ نے مل کر یہ گھر بنایا تھا۔ ''وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰھٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ'' (سورہ بقرہ:۱۲۷) اور جب ابراہیمؑ (خانہ کعبہ کی) دیواریں اٹھارہے تھے اور ساتھ اسماعیلؑ تھے۔ پھر ان کی نسل کے لوگ اس عمارت کی تجدید، تعمیر و مرمت کرتے آئے۔ تعمیر و ترمیم کی ضرورت ہمیشہ مرورِ زمانہ یا بارش کے اثرات سے پیدا ہوجاتی تھی۔ کسی غیر قوم کا اس پر قبضہ کر کے گرادینے یا توڑ دینے کا واقعہ اس عمارت کعبہ کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند دن قبل ابرہہ جو بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا حاکم تھا اس نے خانہ کعبہ کی عمارت کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ہاتھیوں کی ایک فوج تیار کر کے مکہ پر چڑھائی کی۔ جب عمارت کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جنہوں نے اپنی چونچ میں پتھر، کنکر لے کر اس کی فوج پر برسائے دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہاتھی اور سپاہی پامال ہوگئے۔ سورۃ الفیل میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ اسی سال میں محمدؐ کی ولادت ہوئی تھی۔ جب عرب دینِ ابراہیمی کو بھول کر بت پرستی میں مبتلا ہوئے تو کعبہ اگرچہ بت خانہ بنادیا گیا تھا مگر باوجود اس کے مشرکین اس کو اللہ ہی کا گھر 'بیت اللہ' کہتے تھے۔ اور دینِ ابراہیمی کی ایک عبادت (حج) جاہلانہ رسومات کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

نبی کریمؐ کی عمر ۳۵ رسال کی تھی جب بوسیدگی کی وجہ سے خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کا خیال پیدا ہوا، تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے کی تعمیر کے لیے آپس میں تقسیم کرلیے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب حجر اسود کے رکھنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا برپا ہوگیا۔ قبیلہ اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف حاصل کرے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں نکل آتیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ کہ ثالث مقرر کیا جائے اور اس کے فیصلے پر عمل ہو۔ ثالث مقرر کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی ثالث قرار دیا جائے۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر منتظر تھے لوگوں کی نظر جس پر پڑیں وہ جہاں تاب جمال محمدؐ ہی تھا۔ آپؐ نے جو تصفیہ کیا اس سے آپ کی حسن تدبیر اور وسعت قلب و نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں وہ اپنا ایک ایک سردار منتخب کرلیں۔ پھر آپؐ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو چادر کے بیچ میں رکھا اور سرداروں سے کہا سب مل کر چادر اوپر اٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کردیا۔ کعبہ کی عمارت پر اب تک چھت نہیں تھی اب چھت بھی ڈال دی گئی۔ مگر سامان تعمیر کافی نہ تھا۔ اس لیے زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر عمارت تعمیر کی گئی اور اس حصے کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر کبھی موقع ہو تو پورے حصہ پر عمارت بنالی جاسکے یہی حصہ ہے جس کو 'اب حطیم' کہتے ہیں۔ اور یہ کعبہ کے حدود میں داخل ہے۔

ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی، سِدّی پیٹ، تلنگانہ

ادبِ اطفال کی فنّی خوبیاں

جس طرح کپڑے کی دکان سے شادی کے کپڑے ڈھونڈنا آسان نہیں ہوتا، اسی طرح بچّوں کے لئے تحریر کی جانے والی کتابوں کے درمیان ''بچوں کی کتاب'' تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بچوں کی ایسی کتاب جو اس مٹھائی کی طرح ہو جو مختلف خوش نظر رنگوں والی ہو، پسندیدہ، لذیذ اور خوش بوؤں سے بھری ہو، تازہ، صاف ستھری اور نرم نرم ہو، اور جو نہ صرف بچوں کے کچّے دانتوں اور نازک آنتوں کے لئے مناسب ترین ہو، بلکہ اس کی صحت اور جسمانی نشوونما کے لئے مفید ترین ہو۔

ایسی مٹھائی تیّار کرنے کے لئے ماہر کاری گر کی ضرورت ہوتی ہے، جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے ساتھ بچوں کے ذوق و پسند اور ان کی صحت سے متعلّق شعور اور جان کاری رکھتا ہو۔ یہی بات ادبِ اطفال کے تعلق سے بھی کہی جاسکتی ہے، اس لئے بچوں کے لئے لکھنے یا بچوں کی کتاب یا نصاب مرتّب کرنے سے پہلے بچوں کے ادب کو سمجھنا، اس کی جامع تعریف، بچوں کی نفسیات سے واقفیّت، بچوں کا ادب تحریر کرنے کی شرائط ولیاقت اور بچوں کے ادب سے متعلق تنقیدی شعور اور تنقیدی اصول سے واقفیت ضروری ہے۔

بچوں کے ادب کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے کہ ادبِ اطفال سے مراد نظم ونثر کا وہ ذخیرہ ہے جو خاص طور پر بچوں کی ذہنی، علمی ولسانی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا ہو، یا جو بچوں کے لئے تو نہیں لکھا گیا ہو، مگر بچوں کے لئے مفید اور دل چسپ ہو، جو بچوں کے ذوق، پسند، دل چسپی، شوق، فہم و ادراک اور جذبات واحساسات کے مطابق ہو، جس میں بچوں کی نفسیات، ان کی ذہنی وعلمی سطح اور ان کی عمر کے مختلف مدارج کا خیال رکھا گیا ہو، اور جو بچوں کی تفریحِ طبع کے ساتھ ان کو فکر وعمل کا پیغام دے، ان کے شعور کو بیدار کرے، ان میں اچھے برے کی تمیز پیدا کرے، ان کے نفس کی تہذیب کرے، ان کے اخلاق کو سنوارے اور ان کو ایک اچھا شہری اور ایک مفید انسان بنانے میں مددگار ثابت ہو۔(۱)

جس طرح ہر آدمی بغیر مشق وریاضت کے شاعر وادیب نہیں بن سکتا، اسی طرح ہر شاعر وادیب بغیر مشق وریاضت کے بچوں کا شاعر یا ادیب نہیں بن سکتا، بچوں کا ادب تحریر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے امور کا ماہر ہو اور ادب تحریر کرتے وقت تصوّر میں خود کو بچے کی سطح پر اتار کر ادب تحریر کرے، چنان چہ بچوں کے سائنسی ادیب اور صحافی پروفیسر اسلم پرویز لکھتے ہیں:

''سچ پوچھئے تو بچوں کے لئے لکھنا اتنا آسان بھی نہیں۔ جو لوگ اردو میں بچوں کا ادب تحریر کرتے بھی رہے ہیں ان میں بھی خاصی تعداد ایسے ادیبوں کی ہے جو بچوں کے نام پر بچکانہ ادب تحریر کرتے رہے ہیں۔ صحیح معنوں میں بچوں کا ادیب بننے کے لئے سب سے پہلے خود بچہ بننا ضروری ہے، یعنی یہ کہ بچے کس طرح سوچتے ہیں، وہ آس پاس کی دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں، نظامِ کائنات کے بارے میں ان کے ذہنوں

میں کس طرح کے سوال اٹھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔غرض بچوں کا ادیب بننے سے پہلے بچوں کا ماہر ہونا ضروری ہے۔"(۲)

اس سلسلہ میں بچوں کے ایک شاعر عادل حیات نے اپنا تجربہ خود بیان کیا ہے:

"میں جب بھی کوئی نظم کہتا ہوں تو تصورات (Imaginations) کے سہارے پہلے خود بچہ بن جاتا ہوں، میرے اندر وہ تمام خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک بچے کی ذہنی استعداد اور اس کی ترجیحات ورجحانات کے مطابق ہونے چاہئیں، ایسی حالت میں موضوع کا انتخاب نظموں کی زبان اور ان کا طرزِ بیان بچوں کے فطری تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے۔اور جب زندگی کے بہت سے مسائل آکٹوپس کی طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، ایسے میں خود پر میرا زور نہیں رہتا، میں ایک کٹھ پتلی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، میرا Imagination بھی کام نہیں کرتا اور میں خود کو بے دست و پا محسوس کرتا ہوں۔یہی وہ دور ہوتا ہے جب میرے لئے بچوں کا ادب تحریر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"(۳)

بطورِ نمونہ وتجزیہ عادل حیات کی نظم: "عید" کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

نیل گگن پر نکلا چاند
اجلا اجلا پیارا چاند
ساتھ میں اس کے آئی عید
خوشیاں کتنی لائی عید
ابّو سے کپڑے بنواؤں
اور امّی سے عیدی پاؤں
چم چم کرتے کپڑے پہنوں
ٹوپی جوتے ،موزے پہنوں
خوشبو اپنے تن پہ لگاؤں
ساتھ میں سب کے مسجد جاؤں
ادا نمازِ عید کروں گا
بعد میں سب سے گلے ملوں گا

اس نظم کی ظاہری ومعنوی خوبی اوپر بیان کردہ مٹھائی کی طرح ہے، ہلکے پھلکے مترنّم اور آسان الفاظ پر مشتمل یہ نظم پڑھ کر بچوں میں خوشی ومسرّت کا احساس پیدا ہوگا، اور ان میں سماجی ،مذہبی، ملّی اور تہذیبی شعور بھی بیدار ہوگا۔ عادل حیات کی تقریباً نظمیں اسی جذبہ واحساس کی ترجمان ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے لکھنے والے شعوری طور پر آسان زبان استعمال کرتے ہیں، مگر چند نظمیں، یا سطور لکھنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق عام روش پر چلتے ہوئے مشکل زبان پر پلٹ آتے ہیں، جیسا کہ انیس کیفی (جو بچوں کے مدرّس بھی ہیں) نے اپنے مجموعہ "نغمۂ گل" کے شروع میں چند آسان نظمیں لکھی ہیں ،پھر عام روش پر چلتے ہوئے بڑوں کی زبان میں لکھنا شروع کر دیا ہے، چنانچہ ان کی نظم: "ابرِ باراں" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آسماں پر کالی کالی بدلیاں گھر آئی ہیں
برق باراں کے سمندر بھر کے سر پر لائی ہیں
مست مدماتی ہوئی پڑنے لگی ہلکی پھہار
پھول پتّے پیڑ پودے رقص میں چھایا خمار
چہچہاتے ہیں عنادل ،ناچتی ہیں تتلیاں
مستیوں میں دوڑتے ہیں شیر چیتے ہرنیاں

اس نظم کا موضوع تو بچوں کا جانا پہچانا ہے، لیکن بھاری بھرکم فارسی آمیز عنوان ابرِ باراں، اور بچوں کے فہم سے بالاتر فصیح الفاظ جیسے؛ برق، باراں، رقص اور عنادل وغیرہ کے

استعمال سے بڑوں کی شاعری ہوگئی ہے۔

بچوں و بڑوں کے ادیب اور بچوں کے اقبال نامی کتاب کے مصنّف پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے بچوں کے شاعروں کے لئے بچوں کی نفسیات، ان کے ذوق وپسند، صلاحیت اور عصرِ حاضر کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے واقفیت اور ان کا تجزیہ وشعور کو لازمی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بچوں کے لئے کچھ بھی لکھنا آسان نہیں ہوتا وہ بھی نظم میں۔ بچوں کے لئے لکھنے والوں کو بچوں کا مزاج داں ہونا چاہئے۔ ان کے ذوق وشوق سے آگاہ ہونا چاہئے۔ ان کی پسند نا پسند سے واقف ہونا چاہئے۔ ان کی صلاحیت اور خصوصیت سے باخبر ہونا چاہئے۔ اس کا بھی علم ہونا چاہئے کہ ان کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اور ان کی ذہنی تعمیر کے لئے کیا اہم ہیں اور کیا چیزیں مضر ہیں۔ بچوں کے لئے لکھنے والوں کے ذہن میں یہ بات بھی واضح ہونا چاہئے کہ موجودہ دور کے تہذیبی اور معاشی حالات میں کسی ملک کے بچوں کی ذہنی تربیت کس طرح کی ہونی چاہئے تاکہ آئندہ وہ اس ملک کے لئے مفید بن سکیں اور ملک کی ترقی اور ناموری میں مددگار ثابت ہوسکیں، اور عالمی تخریبی سیاست اور معاشی چپقلش سے اپنے محبوب وطن کو دور رکھ سکیں۔" (۴)

اب تک جو باتیں بیان کی گئیں وہ بچوں کا ادب تحریر کرنے والوں کی لیاقت وشرائط سے متعلق تھیں، اب نفسِ ادبِ اطفال کی فنی خوبیوں سے متعلق بھی چند باتیں عرض کرکے اپنی تحریر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ بچوں کے شاعر و ادیب اور محقّق و ناقد پروفیسر مظفّر حنفی (م: ۲۰۲۰ء) نے بچوں کے ادب کی مندرجہ ذیل فنی خوبیاں بیان کی ہیں:

"طرزِ ادا دل چسپ ہو، اور زبان آسان۔ موضوعات ایسے ہوں کہ بچے ان میں نیا پن محسوس کریں، مکتبی اور درسی ماحول سے کچھ دیر کے لئے آزادی ملے، نصیحتیں دن رات سنتے ہیں، کچھ شوخی، کھلنڈراپن اور مہذّب شرارتیں اگر خود نہ کر سکیں تو پڑھ کر خوش ہولیں۔" (۵)

بچوں کے ادب کے پہلے محقق ڈاکٹر خوشحال زیدی کے مطابق بچوں کے ادب میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں: (۱) حیرت واستعجاب (۲) علم واعلیٰ اخلاق (۳) تخیّل (۴) ایسی نظمیں یا کہانیاں جن میں صحت، صفائی، تفریح، کھیل، درس اور محنت ومشقّت کی طرف انہیں توجہ دلائی جائے، (۵) زبان نہایت آسان بچے کی اپنی زبان میں ہو اور روز مرّہ میں مستعمل الفاظ ہوں، طرزِ ادا اور اسلوب ایسا دل چسپ ہو کہ بچے بخوبی اس میں دل چسپی لیں (۶) خدا کے وجود اور اس کے جلال و جمال اور دوسری صفات کا نقش بچوں کے ذہن پر مرتسم کیا جائے، (۷) کہانیوں اور نظموں میں کسی حد تک مبالغہ آرائی ورنگ آمیزی سے بچوں کی دل چسپی کو دوبالا کیا جائے، (۸) انسانی وحدت و محبّت، حبّ الوطنی، باہمی اتّحاد اور قومی یک جہتی کو موضوع بنایا جائے، (۹) ادبِ اطفال بچے کے ذہن کو زیادہ متاثّر کرے اور اس کے مطالعے سے بچوں کو سچّی خوشی اور ذہنی تسکین ہو، (۱۰) بچوں کے ادب کی ایک نمایاں خوبی تنوّع ہے، بچوں کے ادب میں موضوعات کی رنگا رنگی اور ان کی پیش کشی نئے نئے اسالیب اور انوکھی تیکنک سے ہونی چاہئے۔ (۶)

ادب کی ایک اور اہم خوبی عصری تقاضے اور عصری رجحانات ومیلانات سے ہم آہنگی ہے، ادبِ اطفال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، بچے نئی چیزوں کی طرف جلد مائل ہوتے ہیں، نئی چیزیں دیکھ کر وہ مچل جاتے ہیں، وہ ہر نئی چیز کے بارے

میں جاننا چاہتے ہیں،اس اعتبار سے بچوں کو نئی نئی ایجادات اور نئے نئے اکتشافات سے واقف کرانا اور نئی نئی تحقیقات کو نئے نئے ڈھنگ اور نئے نئے اسلوب میں پیش کرنا بچوں کے شوقِ مطالعہ میں اضافہ کا باعث ہوگا،اور بچوں کی تعلیم اور کیریئر کے اعتبار سے بھی انتہائی مفید ہوگا۔سائنس اور عصری ذہانت ودانش کی آرائشوں میں ڈوبے ایسے قصّے کہانیوں اور منظومات سے بچوں میں ذہانت،عزم وحوصلہ،جرأت،حاضر دماغی،قومی وملّی جذبہ،سماجی شعور،نظم وضبط اور سائنسی وتحقیقی شعور پیدا ہوگا۔

غرض بچوں کی شاعری یا نثر بھی بڑوں کی شاعری اور نثر کی طرح شعری و نثری خوبیوں سے آراستہ ہونی چاہئے،اس میں بھی آمد کا ہونا ضروری ہے،اس کے لئے بھی تشبیہ واستعارہ اور دوسری صنائعِ لفظی ومعنوی کی چاشنی درکار ہے،وہ بھی شاعر وادیب کی قوّتِ متخیّلہ کی محتاج ہے،وہ بھی شاعر وادیب سے مشق وریاضت کی متقاضی ہے،خاص طور سے بچوں کے امور میں مہارت اور بچوں سے محبّت، خلوص،ہم دردی،ان کی ذہنی وروحانی تربیت اور اخلاق و کردار سازی کا جذبہ،نیز عصری تقاضے،جدید سائنسی ایجادات،حیرت انگیز اکتشافات وتحقیقات اور بدلتے عالمی منظر نامے میں زبان وادب کی اہمیت،مقام اور کردار سے بچوں کو واقف کرانے کی فنّی وتکنیکی صلاحیت پائی جانی چاہئے۔

حواشی:

(۱)سیّد اسرار الحق سبیلی،ڈاکٹر،بچوں کے ادب کی تاریخ (دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۶ء)ص:۴۹

(۲)اسلم پرویز،پروفیسر،پیشِ لفظ گیت مالا،از:عادل اسیر دہلوی(دہلی:ملک بک ڈپو،۲۰۱۰ء)ص:۴

(۳)عادل حیات،ڈاکٹر،بستے کا بندر(نئی دہلی:مکتبہ پیامِ تعلیم،۲۰۰۹ء)ص:۷۔۸

(۴)عبدالقوی دسنوی،پروفیسر،پیشِ لفظ پھول ایک ہی چمن کے،از:کوثر صدّیقی،(بھوپال:دھرو پبلی کیشن، ۱۹۹۵ء)ص:۷۔۸

(۵)مظفّر حنفی،پروفیسر،پیشِ لفظ ہماری نظمیں،از: ڈاکٹر شفیق اعظمی(اعظم گڑھ:البدر بک سینٹر،۲۰۰۵ء)ص:۵

(۶)خوشحال زیدی،ڈاکٹر،اردو میں بچوں کا ادب(کان پور:ادارہ بزمِ خضرِ راہ،۱۹۸۹ء)ص:۴۱۔۴۳

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔پروفیسر عین شمس یونیورسٹی قاہرہ۔مصر

غزل

تیرے ساتھ محبت نے اور تجھ سے رشتے داری نے
کتنا میرے دل کو جلایا اس ذہنی بیماری نے
اس کا عشق کہاں تھا سچا تھا اس کی زباں کب سچّی تھی
کتنے دلوں کو مار دیا ہے اس کی اس عیاری نے
گھائل دل پر زخم لگائے صبح و شام اکیلے میں
دل کو میرے بہت ستایا میری ہی خودداری نے
شامل تھا محبوب مراجو میری صبحوں شاموں میں
میرا دامن جلا دیا ہے اس کی ہی مکّاری نے
اب چاہت ہی کمزوری ہے نہ الفت سے میں ٹوٹی ہوں
سبق سکھائے بہت سے مجھ کو دوست تری غداری نے
پھر سے ولا کے دل میں کیسے ہنگامہ ہو جائے گا
قتل کیا احساس کو اس کے جھوٹی سی دلداری نے

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔عربی لیکچرار، مانو، حیدرآباد

ہارون رشید غافل کی شخصیت اوران کی شاعرانہ بصیرت

ہارون رشید ان کا نام تھا اور غافل ان کا تخلص تھا، وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے آبروئے سیمانچل اور شان ارریہ کے خطاب سے بھی جانے جاتے ہیں، وہ شہر ارریہ، بہار کے مقامی اور عوامی شاعر سمجھے جاتے تھے، وہ ارریہ میں جامعہ ملیہ کالج کے ایک بڑے لیکچرار بھی تھے، 1965ء میں وہ اپنے ننیہال موضع بسنت پور، کگڑوا ضلع ارریہ، بہار میں پیدا ہوئے، ان کا گھر موضع گیاری، ضلع ارریہ تھا، اس لیے وہ اکثر اس شعر کو بڑے اہتمام سے سنایا کرتے تھے ۔

گیاری سے آیا ہوں تیاری سے آیا ہوں
راہ میں خطرے ہیں لیکن ہوشیاری سے آیا ہوں

مگر افسوس کہ وہ ۲۸ رنومبر ۲۰۲۱ء کی شب تقریباً دس بجے حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے پورنیہ کے ہاسپٹل میں انتقال کر گئے ، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وکالت کے موضوع پر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جناب ہارون رشید غافل اپنے علاقے کے ناگفتہ بہ احوال وکوائف سے بہت متاثر ہوئے، حالات کو دیکھتے ہوئے 1980ء میں انہوں نے اپنا شعری سفر کا آغاز کیا، شاعری کا ذوق وشوق بچپن ہی سے موجود تھا، تقریباً پندرہ سال کی عمر رہی ہوگی جب انہوں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا، تعلیم وتربیت کو انہوں نے قوم وملت کی ترقی کا راز سمجھا اور اس کام کیلئے انہوں نے ضلع ارریہ میں بڑا ابھیان شروع کیا، یہاں تک کہ انہوں نے تعلیم وتعلم کی اہمیت وافادیت ، پڑھے لکھوں کے مایوس کن احوال اور بے روزگاری کو اپنا اولین موضوع شعر وسخن بنایا اور مقامی شاعری کے ذریعے اس کی بہترین ترجمانی وعکاسی کی، جس کی وجہ سے انہیں کافی شہرت وعزت حاصل ہوئی، گویا کہ انہوں نے اپنے اس فن کا آغاز لفظ "اقرأ" سے کیا ہو اور یا فتاح یا فتاح پڑھ کر حالات کی گرہیں کھولنے کی رب سے درخواست کی ہو اور "رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر" کا ورد کرکے خدا سے شاعرانہ بصیرت، کلام کی مقبولیت اور حالات سے مقابلہ کرنے کی دعائیں کیں ہو اور حوصلہ وہمت طلب کیا ہو۔ جیسا کہ ان کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ ۔

نئی امید نئی زندگی عطا کردے
بلند میرا ہمالہ سے حوصلہ کردے
قدم قدم پر جو فانوس بن سکے میرا
تو میرے ساتھ کوئی ویسا قافلہ کردے

اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں بلند حوصلہ اور ہمت سے نوازا جیسا کہ ہم ان کی زندگی میں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

ظاہر ہے جب کوئی بھی کام "بسم اللہ۔۔" سے شروع کیا جاتا ہے تو اس میں خدا کی مدد بھی شامل ہوجاتی ہے، برکت ورحمت کا نزول بھی ہوتا ہے، طالب دعا کو خدا کی طرف سے ذہانت وفطانت کی خاص نعمت بھی عطا ہوتی ہے، پھر زندگی کے رزم وبزم کو ان کی خداداد صلاحیت وقابلیت کے جلوؤں سے ہزار رنگ حاصل ہونے لگتے ہیں، عوام وخواص میں ان کو بے

پناہ مقبولیت حاصل ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ موصوف شاعر کی روداد زندگی کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے اور ہم ان باتوں کا ان کے احوال واقوال میں خوب مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ جب انسان ہی شریف النفس ہو، اچھے جذبات واحساسات کا حامل ہو، انسانیت کی خیر خواہی ان کا مقصد اصلی ہو، ان کے قول وفعل اور شعر وسخن سے حالات وچیلنجز کی صحیح ترجمانی ہورہی ہو، حق بات کہنے کی ان کے اندر جرأت وطاقت ہو، خالق ومالک کی صحیح پہچان بھی ان کے اندر ہو، دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھ کر اس کے ازالے کی تدبیریں بھی کرتا ہو، ارباب اقتدار کے درمیان بڑی خوش اسلوبی سے ان کے مسائل ومشکلات کو پیش کرتا ہو اور بڑے جامع اور شعری انداز میں پیش کرنے کی انہیں بے مثال قدرت حاصل ہو، اس کا حل اور تجویز بھی پیش کرنے کی جسارت کرتا ہو اور سماجی وملی فلاح وبہبود کے کاموں کی بھرپور ترجمانی بھی کرتا ہو۔۔۔۔ تو بھلا کیسے ان کے کاموں میں ریاکاری اور دکھاوے کا شبہ ہوسکتا ہے؟! ان کی مقبولیت تسلیم کرنے میں ہمیں کیوں تردد اور اعتراض ہوسکتا ہے؟ ان کی شاعرانہ بصیرت اور خدمت خلق پر ہمیں کیوں شک ہوسکتا ہے؟!۔

یہی وہ گوناگوں اوصاف وکمالات ہیں جن پر ہمارے مرحوم شاعر ہارون رشید غافل کی فکر ونظر نشو ونما پاتی ہے، ان کا ذہن ودماغ خوب پروان چڑھتا ہے، ان کا ذوق ومزاج اسی نہج پر ابھرتا ہے، ان کی شخصیت دیگر شخصیات میں کافی ممتاز ومعروف ہوتی ہے، ان کے فہم وفراست کو بڑی بالیدگی حاصل ہوتی ہے، ان کی گرانقدر ادبی کاوشوں اور عمدہ علمی صحبتوں سے چرچا عام ہوجاتا ہے اور ان کا درجہ ورتبہ علما وطلبا، عوام وخواص، وزراء اور ججوں کے نزدیک بھی بلند وبالا ہوجاتا ہے، وہ اپنے ہنر اور زبان کی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں کا تارا اور ان کے سروں کا تاج بن کر ابھرتے ہیں۔

یہی وہ باتوفیق مقامی اور عوامی شاعر ہیں، جنہوں نے بہت کم عمری میں بڑا مقام حاصل کیا اور لگاتار بیالیس سال تک کی انتھک محنتوں اور سماجی وادبی کارناموں سے مقبول ترین شاعر بن کر ابھرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا پسندیدہ شعر جب امریکہ کی کسی محفل میں پڑھا گیا، تو سبھوں نے ان کی فکر کی تائید کی اور اچھے شعر پر اپنی خوشی کا اظہار کیا، ان کی خدمات کی قدردانی اور شخصیت کے اعتراف میں صوبائی وضلعی سطح پر انہیں کئی ایوارڈ و خطاب سے بھی نوازا گیا، چونکہ انہوں نے علاقائی مسائل و مباحث کو اپنی گفتگو اور شعر وادب کا موضوع بنایا اور اچھے اسلوب و انداز کا سہارا لیا، مقامی زبان کے رنگ میں رنگ کر اسے عمدہ شعری جامہ پہنایا، جسے بڑا پسند بھی کیا گیا، خلاصہ یہ کہ شاعری میں انہوں نے اپنے لئے ایک الگ راہ نکالی، مقامی زبان میں انہوں نے خوب طبع آزمائی کی، ہر صنف کلام پر انہوں نے اپنے شعری ذوق وشوق کا نمونہ پیش کیا اور اپنی شاعرانہ بصیرت ومعرفت کا لوہا منوایا۔ سارے نمونے مقبول عام ثابت ہوئے، کبھی انسانوں کے مسائل تو کبھی ان کی مشکلات کو انہوں نے اپنا موضوع سخن بنایا، کبھی سماج ومعاشرے کی برائیوں، کوتاہیوں اور سیاسی خامیوں کو برملا واشگاف کیا اور برائے تعمیر وترقی اسے تنقید کا نشانہ بنایا، کبھی ملک وملت کی صحیح رہنمائی کی تو کبھی تعلیم وتربیت کے فروغ وترویج پر اپنی نظریں مرکوز کیں اور عوام وخواص کو اس طرف متوجہ کیا اور اس کی خوب وکالت کی، پڑھے لکھوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی صوبائی سطح پر زبردست وکالت کی، غرض کہ تمام سماجی وملی موضوع کو اپنی توجہ وعنایت کا محور ومرکز بنایا۔۔۔ بڑے عمدہ اسلوب اور خوبصورت لحن کے ساتھ اسے پیش کیا، جن سے ان کے کلام وتخلیق کو حیات جاوداں مل گئی جو اہل علم و

دانش کے درمیان تادیر باقی رہے گی، اور عوام وخواص اس سے تازگی اور طلبا وطالبات اس کو بطور نصیحت وموعظت قبول کریں گے اور اپنی رگوں میں جاری زندہ خون کو گرمائیں گے۔

جناب ہارون رشید غافل کی خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بات پیش کرنے میں جس مقامی زبان کا سہارا لیا یہی وہ فن ہے جس میں ان کو خاص طرۂ امتیاز اور شان امتیازی حاصل ہے، جس میں ان کا کوئی ثانی وہمسر نہیں!! کلہیا برادری سے ان کا خاندانی تعلق تھا اور اسی مقامی زبان میں انہوں نے اپنا بیشتر کلام بھی پیش کیا جو بہت جامع اور خوبصورت انداز میں ہمارے درمیان محفوظ ہی نہیں بلکہ محبوب ترین اور مانند تریاق ہے، اس کے علاوہ انہوں نے ہندی اور اردو زبان میں بھی متعدد خدمات پیش کیں، آکاشوانی ریڈیو میں ان کی خدمات بھی قابل رشک ہے، وہ بڑے فصیح وبلیغ زبان کے مالک اردو زبان وادب کے رمز سناش تھے، ان کا مجموعہ کلام اور مختلف تحریروں میں ان کے دیگر کارنامے ہمارے لیے قابل تقلید نقوش اور قیمتی سرمایہ ہیں، خوبصورت انداز واسلوب اور عمدہ اظہار خیال ان کا اسلامی وطیرہ ہے، جس میں ان کو بہت مقبولیت بھی حاصل ہوئی، شہر ارریہ میں پندرہ اگست یعنی آزادی کے دن اور مدارس ومراکز کوان کے بیشتر پروگراموں میں عمدہ اناؤنسرنگ اور کلام سننے سنانے کا جو شرف حاصل رہا ہے، وہ اب ان کے وصال سے جو خلا پیدا ہوا ہے، مستقبل قریب میں پر ہونا مشکل نظر آرہا ہے، مدارس ومکاتب کے جلسوں میں ان کی شخصیت خوب نظر آتی تھی، ہر ممکن ان کا تعاون رہتا تھا، انہیں کی یہ ممتاز ترین خوبی ہے کہ انہوں نے اپنا قلب وضمیر ہمیشہ صحیح وسالم رکھا کبھی اس کا سودا ہونے نہیں دیا، اس موضوع پر ان کا مشہور ومعروف کلام بھی آپ کے بطور استشہاد پیش ہے ؎

ضمیر بیچ کر میں زندہ رہوں یہ ناممکن
آگے مزید ہمت و جرأت کرتے ہوئے فرقہ پرست، شر پسند عناصر اور ظالم حکمراں کو مخاطب کرتے ہوئے ببانگ دہل کہتے ہیں ؎

زمانہ تجھ کو مسیحا کہے یہ ممکن ہے
مگر میں تجھ کو مسیحا کہوں یہ ناممکن

اگر چہ غافل صاحب کا زیادہ تر کلام کلہیا زبان میں ہے مگر موضوع کے اعتبار سے انہوں نے نہ صرف کلہیا برادری کی نمائندگی کی بلکہ ملک وصوبہ کے ہر سماج وبرادری حتی کہ شہر ارریہ کے مشہور شیخ برادری کی تمام تر ترقی کو بھی اپنی ترقی وخوش بختی تصور کیا ہے اور اس کی عمدہ نمائندگی کی، ہر فرد اور انسان کے مسائل کو انہوں نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے، کسی کو بھی ذات کو اپنی باتوں کے ذریعے تنگ نظری کا ہدف نہیں بنایا ہے، حتی کہ انہوں نے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت، ذات پات اور بھید بھاؤ کے رونما ہوتے واقعات پر بھی اپنے گہرے رنج وملال کا اظہار کیا اور ان سب باتوں کو ملکی مفاد اور قومی یکجہتی کے خلاف زہر آلود تصور کیا اور ملک وملت کی ترقی و بلندی میں ان باتوں کو نقصاندہ اور ملک کی بربادی کا ذریعہ سمجھا، جس کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ ؎

نئے سال میں کچھ نیا کر دکھائیں
وطن کو ضرورت ہو تو سر کٹائیں
چلو نفرتوں کو مٹائیں اے غافل
محبت کی دنیا کو پھر سے سجائیں

یہی وہ اوصاف وصفات ہیں جن سے ہمارے مقبول شاعر کی پوری زندگی بصیرت افروز نظر آتی ہے، ان کا شعر وادب بڑا مہذب وباسلیقہ نظر آتا ہے، ان کا جذبہ بڑا قابل قدر اور ان کی فکر

لائق ستائش نظر آتی ہے اور ان کا مذاق ومزاج رنگ برنگ اور اعلی و ارفع نظر آتا ہے، عوام وخواص میں انہیں عمدہ خوبیوں کی وجہ سے بلند پایہ مقام اور عوامی شاعر کا رتبہ حاصل ہے، اسی لیے ہم انہیں آبروئے سیمانچل اور شان اراریہ کے خطاب سے جانتے اور پہچانتے ہیں، اہل علم ودانش میں بھی وہ بڑے مخلص وخیر خواہ تصور کئے جاتے ہیں، لوگ ان کے بڑے مداح وقدرداں بھی ہیں، اگر چہ وہ کسی مدرسے کے فارغ نہیں تھے مگر علماء وصلحاء میں بھی وہ بڑے مقبول ومحبوب نظر آتے ہیں، مدارس ومکاتب کے طلبا اور اساتذہ کے درمیان وہ بڑے پسندیدہ شاعر سمجھے جاتے ہیں، اسی لئے وہ دینی وسماجی جلسوں میں خوب رونق اسٹیج اور زینت محفل بنا کرتے تھے، مشاعروں میں ان کا شمار بڑے شعراء کی فہرست میں ہوتا تھا، ان کا کلام بڑا عمدہ اور ان کی آواز بڑی سریلی سمجھی جاتی ہے، وہ حالات حاضرہ کی صحیح عکاسی بھی کرتے ہیں اور اس کا صحیح حل اور تجویز بھی پیش کرتے ہیں، دارالعلوم ضیاء الاسلام بوجگاؤں، قصبہ پورنیہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک شاندار جلسے میں جس میں قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ بھی شریک تھے، ملک وملت کے اکابر علماء بھی اس میں شامل تھے، راقم السطور کو اس جلسے میں بنفس نفیس شاعر موصوف کو اور ان کے عمدہ کلام کو سننے اور بعد میں بھی ان کی فکروں سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے۔۔۔۔ انکی نغمگی آوازوں سے اب تک ہمارا سماع مسحور و مانوس ہے۔۔۔۔ اللہ ان کو شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

غافل ان کا تخلص ضرور ہے مگر ان کے کارناموں سے ہمیشہ ان کی بیدار مغزی اور شعور بیداری ظاہر ہوتی ہے۔۔ وہ خود اس کی تصریح فرماتے ہوئے گویا ہیں۔

غافل ہوں بیدار کروں گا ہر لحہ ہوشیار کروں گا
کرتے ہیں جو مجھ سے نفرت ان سے بھی میں پیار کروں گا

غازی رحمت اللہ رحمت
مدیر، راشٹر پرہری (سہ ماہی) جامتاڑا جھارکھنڈ

غزل

کیا کہوں، کہاں سے کہاں چلا تھا میں
ایک بار نہیں، سو بار چھلا تھا میں
اس نے پوچھا جو مجھ سے کیسے ہو
اتنا سنتے ہی فقط، رو پڑا تھا میں
صنم تجھ کو، یاد ہو کہ نہ یاد ہو
بخدا ترا ہر درد خود سہا تھا میں
کتنا آسان لگا کہہ دیا، سب ٹھیک ہے
سارا دن دھوپ میں خود جلا تھا میں
ارے نادان! موت سے کیوں کر ڈرتے ہو
دیکھ زندگی سے ہارا نہیں بھرا تھا میں
مجھے تلاش تھی، تلاشِ حق کی محض
یوں تو کہنے کو فقط بلبلہ تھا میں
میں کاروان عدم، رہا پاسبان چمن
دنیا کہتی رہی بس، ہوا ہوا تھا میں
بدلی دنیا، ساز بدلے، ساجن بدلے
کبھی دل، دلرُبا، کبھی دلجلا تھا میں
فکرِ رحمت سے ہل گیا ہل خواب وخیال
گرہ کھولا نہیں بس تھوڑا سا ہلا تھا میں

انصار احمد معروفی۔ پورہ معروف۔ بلوہ، کورتھی جعفر پور۔ ضلع مئو۔ یوپی

انسان دوستی

پوری دنیا کے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ یعنی حضرت آدم وحوا سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے وحدت نسل کی بنیاد پر ہر انسان ایک دوسرے کا بھائی ہے، رنگ ونسل، ذات پات، ملک وقوم اور مذہب چاہے جو بھی ہو جیسا بھی ہو، لیکن وحدت انسانی کے اعتبار سے سب لوگ تمام انسانوں کے باپ، سب سے پہلے نبی سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام وحضرت حوا کی اولاد ہیں، اس لیے دنیا میں جتنے بھی انسان بستے ہیں؛ ہندو ہوں یا مسلم، سب آپس میں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

انسان دوستی کا عالمی دن، ۱۲/ اگست کو ہر سال اقوام متحدہ اور دوسری فلاحی وامدادی تنظیموں کی جانب سے دنیا بھر میں منایا جاتا ہے، تاکہ دنیا بھر میں انسانی فلاح وبہبود کے لیے متحرک افراد اور انسانی جذبے کے تحت کام کرنے والے امدادی کارکن کو سراہا جائے اقوام متحدہ کی جانب سے اگست کی انیس تاریخ کو دنیا بھر میں انسان دوستی کے عالمی دن کے طور پر منانے کا فیصلہ سن 2008 میں کیا گیا تھا، یہی دن بغداد شہر کے کینال ہوٹل میں بم دھماکے میں اقوام متحدہ کے 22/ افراد کے ہلاک ہونے کی برسی بھی ہے، دنیا بھر میں یہ دن اس حوالے سے منایا جاتا ہے کہ خلق خدا کی بھلائی کی سرگرمیوں کے حوالے سے بنیادی سمجھ بوجھ کو عام کرنے کے ساتھ ان سرگرمیوں میں شریک افراد کا احترام اور جو لوگ کار خیر کرتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں ان کو یاد بھی کیا جائے، یہ دن دکھی انسانیت کی خدمت کرنے والوں کے نام سے ہے جو بلاتفریق رنگ ونسل ہر ممکن طور پر دکھی اور ناچار انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ وکی پیڈیا۔

خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کو قرآن پاک میں کئی جگہ وحدت انسانی کے شعور اور انسان دوستی ومحبت کو اجاگر کیا ہے، مشہور آیت نکاح کے خطبہ میں پڑھی جانے والی آیت: جس سے سارے انسانوں کے ایک جان سے پیدا ہونے کی اطلاع دی گئی ہے، وہ سورۂ نسا کی آیت نمبر ۱۔ ہے۔ جس میں صرف ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ نے خطاب نہ فرما کر سارے لوگوں کو اس میں شریک کیا ہے اور فرمایا ہے ''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو، جس نے تم لوگوں کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس نفس سے اس کے جوڑے حوا کو بنایا، اور پھر ان دونوں سے دنیا میں بہت سے مرد وعورت کو پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات میں اس طرح بیان فرمایا کہ ''اے لوگو! ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا، یعنی وحدت انسان کے مرکز کے شعور کو اجاگر کیا، اور پھر بعد میں فرمایا، کہ ''ہم نے پھر تم لوگوں کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تعارف کے واسطے، مگر تم میں سے سب سے بہتر ہمارے نزدیک وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ مجھ سے ڈرنے والے ہیں''۔

احادیث میں بھی اس بات کو نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ تمام لوگ آپس میں انسان ہونے کے اعتبار سے کنگھی کے دندانے کی طرح برابر ہیں۔ اس اعتبار سے دنیا کے سارے لوگوں کو چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کو ایک نظر یعنی محبت اور پیار سے دیکھنا چاہیے، کسی پر اگر کوئی مصیبت ٹوٹے تو دوسرے کو

بھی بحیثیت انسان ہونے کے اس کا درد اپنے دل میں محسوس کرنا چاہیے، چنانچہ اب بھی انسانیت اللہ کے فضل وکرم سے زندہ ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی آفت، بلا، حادثہ اور آفت ٹوٹتی ہے، مثلاً زلزلہ آ گیا، کوئی وبا پھیل گئی، سڑک حادثہ ہو گیا، تو لوگ اس بات سے قطع نظر کہ متاثرہ شخص کا مذہب کیا ہے؟ لوگ فوراً اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور ہر ممکن مدد کر کے انسان دوستی کی مثال قائم کرتے ہیں، بلکہ کتنی بار اگر کہیں فرقہ وارانہ فساد برپا ہو گیا، تو مسلم محلوں میں رہنے والے اکا دکا ہندو بھائیوں کو لوگ اپنی پناہ میں لے کر ان کی مدد کرتے ہیں اور اس کو تحفظ فراہم کرتے ہیں، اسی طرح ہندو اکثریتی محلّہ میں رہنے والے مسلم اقلیت کو اپنی حفاظت میں رکھ کر اس کی جان بچانے کی تدبیر کرتے ہیں، ایسی انسانیت نوازی کی مثالیں دنیا میں بے شمار ہیں، ابھی ہندوستان میں لاک ڈاؤن کے دوران کتنے مسلم حضرات نے اپنے شہر سے گزرنے والے بسوں اور ٹرکوں کے بھوکے مسافروں، مزدوروں اور محتاجوں کی ایسی مدد کی اور اس طرح ان کی گاڑیوں کو روک کر انہیں خوراک کی پیکٹیں پہنچائیں کہ وہ لوگ مسلم حضرات کی دردمندی اور انسان دوستی کے قائل ہو گئے، انہوں نے کسی بھی ٹرک اور بس کے مسافروں سے یہ پوچھ کر مدد نہیں کی کہ آپ لوگوں کا مذہب کیا ہے؟ اور کہاں جانا ہے؟ جب کہ بڑے پیمانے پر ہندو مسلم میں تفریق ڈالنے کی ہر سطح پر کوشش کی گئی، اسی طرح مسلم دوست کی حفاظت اور مدد کے لیے ہندوؤں نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی اور اسی طرح مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی مدد کے لیے مذہب و ملت سے قطع نظر ہر طرح کی مدد کی، لاک ڈاؤن کے دوران جب جب کہیں لوگوں میں غلہ کی تقسیم عمل میں آئی، تو دونوں طبقہ کے لوگوں نے ہر ایک کا خیال کیا، چنانچہ کتنے ہندو عورتوں اور مردوں نے بعد میں سوشل میڈیا پر اس طرح کے تعاون کو اچھے الفاظ میں نمایاں کر کے پوری دنیا کو مطلع کیا، جس سے کتنے شر پسند عناصر کی آنکھیں کھل گئیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے گجرات فساد 2002 کے تناظر میں لکھا ہے کہ جہاں بہت سے فسادیوں نے بے رحمی کا مظاہرہ کیا'' وہیں اچھی خاصی تعداد ایسے امن پسند افراد کی بھی تھی جنھوں نے اپنے مسلمان پڑوسیوں کو اپنے یہاں جگہ دی، بلکہ اپنی اس ہمدردی اور انسانیت کی وجہ سے وہ فرقہ پرستوں کی لعنت وملامت، دھمکیوں اور سنگ باریوں کا نشانہ بھی بنے۔ اس سے امید کی ایک کرن نظر آئی کہ انسانیت ابھی زندہ ہے، جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہاں ہندو کم تعداد میں تھے ہندوؤں نے اس علاقہ کو خالی کر کے ہندو اکثریت محلّہ میں جانے سے انکار کر دیا اور انھوں نے اپنے مسلمان پڑوسیوں پر پورے اعتماد کا اظہار کیا، یہ بہت خوش آئند بات ہے ایسے واقعات کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنا چاہیے''۔ (بصیرت آن لائن)

اسی جذبے ''یعنی انسان دوستی'' کو آپس میں مزید بڑھانے اور سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کے لیے ''انسان دوستی اور وحدت انسانی'' کا ایک دن پوری دنیا میں منا کر یہ پیغام عام کیا جاتا ہے کہ کوئی انسان ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کمزور پر ستم نہ ڈھائے، اور دنیا کے سارے انسانوں کو ایک نظر یعنی محبت کی نگاہ سے دیکھے اور ان کے ساتھ اسی کی روشنی میں معاملہ کرے۔ آج کی انسان دشمنی کے بڑھتے رجحان کے دور میں آپس میں صرف انسان ہونے کی بنیاد پر تمام انسانوں سے محبت اور تعلقات استوار کرنے کی ضرورت ہے، ہندوستان جیسے امن پسند ملک میں جہاں پھولوں کے گلدستے کی طرح ہر مذہب وملت کے لوگ آباد ہیں، مختلف طرح کی زبانیں بولنے والے اور اپنی

اپنی تہذیب اور کلچر سے بے پناہ محبت کرنے والے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانیت کے پیغام کو عام کیا جائے۔ اسی لیے ہندوستان میں کئی ایک ایسی انجمنیں قائم کی گئی ہیں جو صرف انسان دوستی کی بنیاد پر کام کرتی ہیں، ان میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ''تحریک پیام انسانیت'' بہت معروف ہے۔

اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ہر قسم کے بچوں سے سابقہ پڑتا ہے، مگر مذہب وملت سے بالاتر ہوکر وہ سب کس طرح آپس میں میل محبت سے رہتے اور پڑھتے ہیں، اسکول ساتھ ساتھ آتے جاتے ہیں ، بلکہ لنچ کے دوران مل بیٹھ کر کھانا بھی کتنی محبت اور رواداری کے ساتھ کھالیا کرتے ہیں، ان کے یہ تعلقات بڑے ہونے اور سمجھدار ہونے تک برقرار رہتے ہیں۔

تمام مخلوق کی بھلائی میں اللہ کی خوشنودی چھپی ہوئی ہے، اس معاملے میں انسان میں کوئی تفریق نہیں برتی گئی ہے، بلکہ انسان تو دنیا کی ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف اور فضیلت رکھتا ہے، اور یقیناً ایسا ہی ہے، کیونکہ اللہ نے اسے تمام مخلوقات کا سردار بنایا ہے، اور اس کے ہاتھوں میں تمام دنیا کی طاقتوں اور مخلوقات کو مسخر کردیا ہے، اس اعتبار سے انسانوں کے ساتھ محبت، ہمدردی، غم خواری اور ان کے ساتھ نرمی وشفقت سے پیش آنا انسانیت کا تقاضہ ہے، اور اس کے اندر بے شمار اجرا ور وعدۂ خداوندی ہے، جب کہ دیگر حقیر سے حقیر مخلوق کے ساتھ کوئی اگر محبت اور پیار کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوکر اس کی زندگی بھر کی ساری گناہیں معاف فرما کر اس کو خدمت خلق کی بنیاد پر جنت کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ ظلم وستم اور بھوکا پیاسا رکھنے کی بنیاد پر اسے جہنم رسید کردیا کردیتے ہیں، اس کی شان ارفع واعلیٰ ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد؛ جو بہت مشہور ہے، یہ ہے کہ ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اس لیے انسان دوستی کے جذبے کو ابھارنے اور اس پروگرام کو جگہ جگہ منعقد کرکے دنیا میں محبت وایثار کو فروغ دینا چاہیے۔

محمد یٰسین ھابیل۔ حیدرآباد

پدری شفقت

میرا باپ کچھ نہیں ہے میری ماں سے
خود بھوکا سویا مجھ کو پیٹ بھر کھلا کے
میری ماں ڈانٹتی ہے جب شرارت پہ میری
پیار کے رس کانوں میں گھولتا ہے قریب مجھ کو بلا کے

میرا باپ کچھ نہیں ہے میری ماں سے

جب میں کرتا ہوں کوئی کھلونے کی فرمائش برملا
ڈھیر سارے کھلونے لاکے خوش ہوتا ہے مجھ کو دکھا کے
کھلاتا ہے سونے کا لقمہ پر رکھتا ہے نظر دشمن کی
تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑا مجھ کو ہنسا کے
میں جب پوچھا بابا آتی تیتے اوتا ہے اپنی زبان میں
رکھ دیا زندہ ہاتھی گھر کے دروازے پہ لا کے

میرا باپ کچھ نہیں ہے میری ماں سے

لُٹا دیا وہ سرمایہ زندگی میرے مستقبل کے آگے
مسرور رہا وہ زمیں پہ مجھ کو آسماں پہ بٹھا کے
میری زندگی بھر کی خدمت نہ اُتارے گی اس کا قرض
جو وہ ایک رات گزارا ہابیلؔ کو گود میں اُٹھا کے

مصطفی علی۔ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-110025

صحافت کی اخلاقیات

اگر ہم صحافت اور اخلاقیات کی تعریف بیان کریں گے تو بات لمبی ہو جائے گی اس لیے ہم یہ مان کر آگے بڑھتے ہیں کہ ان الفاظ کے لغوی و اصطلاحی تعریف سے آپ کی واقفیت ہوگی۔ اخلاقیات ایک مثبت اصطلاح ہے جبکہ صحافت میں مثبت اور منفی دونوں پہلو گامزن ہیں، پھر دونوں کا تال میل کیا ہوگا؟ دراصل صحافت ہی نہیں بلکہ اکثر شعبہائے علم وفن ایسے ہیں جن کی ناک میں اگر اخلاقیات کی نکیل نہ پڑی ہو تو وہ منہ زور ہو کر تباہی مچا دیں۔ 18 نومبر 2017 کو نوائے وقت، لاہور میں قیوم نظامی صاحب کا ایک کالم ''میڈیا اور ضابطۂ اخلاق'' کے عنوان سے چھپا تھا جس میں لکھا تھا:

''معیشت، سیاست اور صحافت اگر اخلاقیات سے عاری ہو جائیں تو معاشرے میں افراتفری، نفسانفسی، ناانصافی، انتشار، مایوسی، بداعتمادی، ٹکراؤ، تصادم اور محاذ آرائی کی فضا جنم لیتی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ آزاد میڈیا کے پتنگ کو صحافتی اخلاقیات کی ڈور سے باندھ کر اڑانے کی حمایت زور و شور سے ہوتی رہی ہے تاکہ حالات کی مطابق واقعہ رپورٹنگ ممکن ہو سکے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عوام تصویر کا کون سا رخ دیکھے یہ اختیار تو خبر بنانے یا نشر کرنے والی ایجنسی کے پاس ہوتا ہے۔ بات بالکل درست ہے لیکن آپ یہ بھی تو غور کریں کہ غیر معیاری اور من گھڑت معلومات عوامی رائے کو آلودہ کر دیتی ہیں، اس لیے ان کے خلاف بڑے پیمانے پر محاذ آرائی کی ضرورت ہے تاکہ ان کے گلے میں بھی صحافتی اخلاقیات کی رسی پڑ جائے اور ان کا کھلے سانڈ کی طرح بے گناہوں کو سینگ مارنا بند ہو جائے۔ ان کے آمرانہ نظریے (Authoritarian Theory) میں صحافتی اخلاقیات کی کیمیائی کارروائی کر کے اسے سماجی ذمہ داری کے نظریے (Social Responsibility theory) میں تبدیل کرنا بے حد ضروری ہے۔ زاہد امروز اپنے ایک مضمون ''صحافتی اخلاقیات اور پاکستانی میڈیا'' میں لکھتے ہیں:

''کسی خبر کو قابلِ اعتبار بنانے اور پیشہ وارانہ لحاظ سے متوازن بنانے کے لیے صحافتی اخلاقیات متعین کرنا نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔''

صحافی کا ضابطۂ اخلاق یا صحافت کی اخلاقیات دونوں تقریباً ایک ہی چیز ہیں۔ اس کو مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طور پر مختلف گردانا ہے لیکن جو بہت حد تک صحافت اور صحافیوں کے پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کا احاطہ کرتے ہیں وہ ''نیشنل یونین آف جرنلسٹس'' کے متعین کردہ نکات ہیں۔ ''National Union Of Journalists'' آئرلینڈ اور برطانیہ بھر کے 38000 صحافیوں کی یونین ہے جسے 1907ء میں قائم کیا گیا تھا۔ نیشنل یونین آف جرنلسٹس کے کوڈ آف کنڈیکٹ یا ضابطۂ اخلاق کے مطابق 12 نکات

ایسے ہیں جن کی پابندی صحافیوں یا ارکان ''N.U.J'' کو کرنا ضروری ہے۔

ان نکات میں سب سے اہم نکتہ ایمان داری اور سچائی ہے۔ صحافی ہمہ وقت میڈیا کی آزادی کے طے کردہ اصولوں کا دفاع کرے لیکن عوام کے حق کا بھی خیال رکھے اور وہ ہے انھیں درست خبر مہیا کرانا۔ منصفانہ معلومات کو یقینی بنائے۔ خبر کی حقیقت اور اپنے ذاتی تجزیے میں فرق رکھے۔ خبر کے لیے مواد حاصل کرنے میں عوامی مفاد کو مقدم رکھے اور سچائی کے ساتھ ثبوت حاصل کرے۔ عوامی مفاد کے تحت کسی کی نجی زندگی، غم یا تکلیف میں سے خبر تلاش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اپنے ذرائع کی شناخت کسی پر ظاہر نہ کرے، اسے خفیہ رکھے۔ دھمکیوں کو برداشت کرے اور اپنے کسی ذاتی لالچ یا فائدے کے لیے معلومات کو عوام تک پہنچنے سے نہ روکے۔ کسی شخص کو عمر، جنس، رنگ و نسل، معذوری، قانونی حیثیت، ازدواجی حیثیت یا اس کے جنسی رجحان کی بنیاد پر اس کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کرے۔ کسی نابالغ بچے سے گفتگو، انٹرویو کرنے سے پہلے اس کے سرپرست یا لواحقین کی رضا مندی ضرور حاصل کرے۔ کسی قسم کی رپورٹنگ کرتے ہوئے/تصویر کی حصولیابی/حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے احتراز اور رشوت لینے سے قطعی پرہیز کرے۔ کسی معاملے میں ملزم گردانے گئے بچوں اور جنسی جرائم کی شکار ایسی خواتین جو باحیات ہوں ان کی شناخت ظاہر نہ کرے۔

اس فہرست میں دیگر لوگوں کے بتائے ہوئے ان نکات کو جو اس سے مختلف ہیں یعنی اس کے علاوہ آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرس کانفرنس نے اخبارات میں کام کرنے والے ہندوستانی صحافیوں کے لیے جو کچھ ضابطۂ اخلاق منظور کیے ہیں اور پریس کونسل آف انڈیا نے میڈیا کے لیے جو چند رہنمایانہ اصول بنائے ہیں ان سب کو شامل کر لیا جائے اور سب کو ایک ساتھ بیان کیا جائے تو یادداشت کی آسانی کے لیے اسے مندرجہ ذیل نکات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

1۔ایمان داری 2۔سچائی 3۔آزادی 4۔درستگی 5۔منصف 6۔معتمد 7۔مفادِ عامہ کا خیال 8۔مثبت نقطۂ نظر کا متحمل 9۔حالات کی مطابق واقعہ رپورٹنگ 10۔قومی اور بین الاقوامی مسائل کا منصفانہ تجزیہ 12۔سرقہ (Plagiarism) سے پرہیز 13۔ذاتی بغض وعناد سے دوری 14۔حرص وطمع سے کنارہ کشی 15۔ فحاشی و ولگریٹی پرونے سے بچنا 16۔ جوا بدہی 17۔رشوت خوری سے احتراز 18۔قانونی واقفیت 19۔بغیر تحقیق یا ثبوت کے کسی فرد یا شخصیت کے خلاف کوئی بات آگے نہ بڑھانا 20۔عوام کے مسائل کو اجاگر کرنا اور ان کے حل کے لیے ہر سطح پر آواز اٹھانا 21۔بے لاگ و لپیٹ خبر دینا 22۔تشدد کے واقعات کی مدح سرائی سے پرہیز کرنا 23۔فرقہ وارانہ جذبات ومنافرت، بغض و عداوت، اشتعال انگیزی اور نفاق پیدا کرنے والے مواد کی اشاعت سے بچنا 24۔حقائق اور تبصرہ وتجزیہ میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا 25۔فحش اور بے لطف زبان کے استعمال سے بچنا۔

صحافی کو اپنے مشاہدے اور کسی بات کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت میں اضافے کے لیے سماج میں ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھنا چاہیے، دوسرے اخبارات ورسائل میں جو کچھ لکھا جارہا ہے اس پر غور کرنا چاہیے اور عوام سے مسلسل رابطے میں رہنا چاہیے۔ اسے اپنی تحریروں میں عوامی سمجھ کے حساب سے آسان زبان کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحافت کے پانچ اشاعتی اصولوں پر بھی توجہ ضروری ہے ورنہ اسے حوالے کے طور پر کسی کو استعمال کرنے میں دقتیں پیش آئیں گی:

1۔تاریخ 2۔جائے اشاعت 3۔جلد 4۔اشاعت نمبر 5۔قیمت۔

صحافی دھیان دیں کہ یہ پانچوں چیزیں اخبار کے سرورق پر مندرج ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اپنے ادارے کی توجہ اس پر مبذول کرانا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے ورنہ اس کے ادارے کے ساتھ اس کی بھی ساکھ مجروح ہوگی۔

مذکورہ بالا صحافتی اصولوں کو اگر اپنا لیا جائے تو ہر ملک کی صحافت کا معیار بہت بہتر ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے اردو اور ہندی صحافت کا، کیونکہ اس کی صورتِ حال زیادہ بدتر ہے۔ اردو صحافت کا کام ہمیں اغیار کے ظلم کی مبالغہ آمیز داستانیں یا ماضی کی عظمت کے قصیدے سنا کر جھوٹے فخر و مباہات میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہیں اور کرے بھی کیوں نہیں کہ اس کا وجود ہی مسلم مسائل کو پیش کرنے کے لیے ہوا تھا نہ کہ حقیقتِ واقعہ کو بیان کرنے کے لیے۔ مولانا وحیدالدین خان نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

''اردو صحافت ایک قسم کی وکیلانہ صحافت ہے نہ کہ کوئی اخلاقی صحافت۔''

اردو صحافت کے اخلاقیات سے عاری ہونے کی متعدد مثالیں انھوں نے اپنے مضمون ''اردو صحافت اور اخلاقیات'' میں پیش کی ہیں۔ یہ مضمون انور علی دہلوی کی کتاب ''اردو صحافت'' میں شامل ہے۔

بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اردو صحافت پر لکھے متعدد مضامین کو پڑھنے اور صورت حال کا بچشم خود مشاہدہ کرنے سے مجھے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو صحافت اخلاقیات کی پاسداری نہیں کرتا اور نہ ہی وہ صحافتی اخلاقیات کے معیاروں پر کھرا اترتا ہے۔ جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا سماج پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس سے دو قدم آگے نکل کر عوام کی ذہن سازی اور رجحان سازی کا عمل بھی کرتے ہیں، وہ عوام کے اندر شعوری بے داری اور تحریک پیدا کرتے ہیں، اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں ان کے اہم کردار کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا ان کو اپنا انداز ہمیشہ مثبت رکھنا چاہیے۔ اگر یہ ایسا نہ کریں تو جس طرح سے امریکہ اور دیگر یوروپی ممالک میں صحافیوں کی جانب سے غلط بیانی کو بالکل برداشت نہیں کیا جاتا اسی طرح سے یہاں بھی ان کی غلطیوں پر سزا کا اہتمام ہونا چاہیے تاکہ اردو صحافت اپنی کوتاہیوں سے پاک ہوکر دوسری صحافت کے شانہ بہ شانہ چل سکے۔

معاون مآخذات:

1۔ قیوم نظامی، کالم: میڈیا اور ضابطہ اخلاق،

نوائے وقت، لاہور، ۱۸ نومبر ۲۰۱۷ء۔
2۔ زاہد امروز، مضمون: صحافتی اخلاقیات اور پاکستانی میڈیا۔
3۔ مولانا وحیدالدین خان، مضمون: اردو صحافت اور اخلاقیات، مشمولہ بہ: اردو صحافت، مرتبہ: انور علی دہلوی، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۷ء۔
4۔ سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی (حصہ ہفتم)، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء۔
5۔ National Union of Journalists: Code of conduct, NUJ London Magazine Branch.
6۔ Kamal Shankar Srivastava, Principles of Indian Journalism And Mass Communication, APH Publishing Corporation Daryaganj New Delhi, 2007.
7۔ Stephanie Craft and Charles N. Davis, Principles of American Journalism: An Introduction (Chapter:6,7,8), Routledge Publication UK, 2013.
8۔ Kelly McBride & Tom Rosenstiel, The New Ethics of Journalism: Principles for the 21st Century, CQ Press, 2013.

سردار سلیم۔ حیدرآباد

غزل

کوئی شجر ہے نہ سایہ ہے دھوپ ہے میں ہوں
نصیب دشت میں لایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

فلک ہے آگ بگولہ، زمیں بنی مقتل
وجود خوں میں نہایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

کسی نظر میں نہیں بوند بھر شناسائی
تمام شہر پرایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

پگھل رہا ہے بدن، دل سے اٹھ رہا ہے دھواں
غبار درد کا چھایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

بہل رہی ہے تھکن دو پہر کے وقفے میں
کسی کی زلف کا سایہ ہے دھوپ ہے میں ہوں

میں بادشاہ ہوں بے روح سنگ زاروں کا
کہ پتھروں کی رعایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

گھنے درخت جڑوں سے اکھڑتے جاتے ہیں
ہوا نے شور مچایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

جو سائبان تھا سر پر سفید پھولوں کا
وہ یاد پھر مجھے آیا ہے، دھوپ ہے میں ہوں

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں جانب صحرا
نہ کوئی موہ نہ مایا ہے دھوپ ہے میں ہوں

ہے آب آب سلیم آب وتاب چہرے کی
پسینہ ماتھے پہ آیا ہے دھوپ ہے میں ہوں

جمال عباس فہمی

'ماہر شبلیات' ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی ایک ایسا منفرد قلمکار ہے جو بیک وقت محقق بھی ہے۔ مضمون نگار بھی ہے۔ تبصرہ نگار بھی ہے۔ سوانح نگار بھی ہے۔ مترجم بھی ہے۔ مولف بھی ہے اور ایک قابل اور لائق استاد بھی۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی کے ادبی قد کا اندازہ لگانے کے لئے یہ امر ہی کافی ہے کہ وہ واحد قلمکار ہیں جنہیں برصغیر ہندو پاک ہی میں نہیں بلکہ اردو ادب کی دنیا میں 'ماہر شبلیات' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ خود درجنوں کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں اور خود ان کے تعلق سے دو کتابیں ضابطہ تحریر میں لائی جا چکی ہیں۔ ان کی تصنیفانہ صلاحیتوں پر ایک کتاب جید عالم اور دانشور پروفیسر ریاض الرحمان شروانی کے تبصروں پر مشتمل ہے۔ ان کے تعلق سے دوسری کتاب بھی منفرد طرز کی ہے۔ انہوں نے شبلی کے تعلق سے جو کتابیں تحریر کیں ان پر مختلف قلمکاروں نے مختلف رسائل اور جرائد میں تبصرے تحریر کئے۔ ان تبصروں کو بھی ایک کتاب کی شکل دی جا چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمسایہ ملک کی ایک یونیورسٹی میں ایک اسکالر نے ڈاکٹر الیاس کی شبلی شناسی کے موضوع پر ایم فل کے لئے مقالہ لکھا ہے۔

کون ہیں یہ ڈاکٹر الیاس اعظمی اور کیوں انہیں کہا جاتا ہے 'ماہر شبلیات' اس پر گفتگو کرنے سے پہلے آیئے الیاس اعظمی کے بارے میں مختصر طور سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

محمد الیاس نے 23 ستمبر 1966 کو ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مہراج پور میں ایک دین دار اور زمیں دار گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ خاندان کی روایت کے مطابق انہوں نے ابتدائی تعلیم علاقے کے مکتب میں حاصل کی۔ والد انہیں عالم دین بنانا چاہتے تھے، مگر وہ کسی دوسرے ہی میدان کے شہسوار بننے والے تھے۔ محمد الیاس نے آگرہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا اور پوروانچل یونیورسٹی سے 'دارالمصنفین کی تاریخی خدمات' کے موضوع پر مقالہ تحریر کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ مقالہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔ اس طرح محمد الیاس ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی بن گئے۔ الیاس اعظمی ایک سرکاری اسکول سے بحیثیت استاد وابستہ ہیں۔ ملازمت کی مصروفیت کے باوجود الیاس اعظمی نے نہ کتب بینی سے غفلت برتی اور نہ تحریر و تالیف سے دامن بچایا۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی درجنوں کتابیں سپرد قرطاس کر چکے ہیں، لیکن انہوں نے علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات اور ان کے قلمی، علمی اور مذہبی کارناموں پر جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ یہ ایک مکمل ادارے کا کام ہے جو تن تنہا الیاس اعظمی نے انجام دیدیا ہے۔

الیاس اعظمی کی شناخت 'ماہر شبلیات' کے طور پر ادب عالیہ کے سینے پر رقم ہے۔ علامہ شبلی کی شخصیت کی جانب الیاس اعظمی اس وقت کھنچے چلے گئے جب وہ پی ایچ ڈی کے لئے 'دارالمصنفین کی تاریخی خدمات' کے موضوع پر تحقیقی

مقالہ تحریر کررہے تھے۔ دارالمصنفین کی خدمات کی تحقیق کرتے کرتے الیاس اعظمی دارالمصنفین کے بانی علامہ شبلی نعمانی کی علمی اور مذہبی شخصیت کی تاب ناکی میں ایسا گم ہوئے کہ آج تک اس کے حصار سے نکل نہیں سکے ہیں۔ یایوں کہا جائے کہ علامہ کی شخصیت کی چکاچوندھ سے الیاس اعظمی کی آنکھیں خیرا ہوگئیں۔ علامہ شبلی کی شخصیت کی پرکشش روشنی الیاس اعظمی کے وجود میں اس درجہ رچ بس گئی ہے کہ ان کی آنکھیں علامہ شبلی کی زندگی کے ان پہلوؤں تک پہنچ گئی ہیں جواب تک کسی قلمکار کی حدرسائی میں نہیں آسکے ہیں۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی درحقیقت ایک شبلی شناس قلمکار ہیں۔ الیاس اعظمی کے لئے علامہ شبلی کی شخصیت علم و حکمت، شعروادب، مذہب وفلسفہ اور روحانی کیف ووجدان کا ایک ایسا بحربے کنار ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں اس بحر کی شناوری کرتے ہیں اور گہرہائے آبدار اس کی تہ سے چن کر لے آتے ہیں۔ علامہ شبلی کی شخصیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو الیاس اعظمی کی تحقیقی نظر کی زد میں آئے بغیر رہ گیا ہو۔

'متعلقات شبلی '، 'کتابیات شبلی '، 'شبلی ۔سخن وروں کی نظر میں'، 'مکتوبات شبلی'، 'آثار شبلی'، 'علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'، 'شبلی شناسی کے سو سال'، 'شذرات شبلی '، 'اقبال اور دبستان شبلی '، 'شبلی اور جہان شبلی '، 'مراسلات شبلی'، 'خطبات شبلی'، 'نوادرات شبلی'، 'شبلی، خود نوشتوں میں '، 'علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں '، 'نقوش شبلی '، 'کلام شبلی کے اشخاص و اعلام '، 'بیان شبلی جلد اول'، 'تصانیف شبلی کے تراجم '، 'علامہ شبلی کے فارسی خطوط ایک مطالعہ 'ان کی وہ کتابیں ہیں جو علامہ شبلی پر تحقیقی کام انجام دینے والے نئی نسل کے اسکالروں کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی۔ الیاس اعظمی کی ایک اور کتاب 'شبلی۔ ایک تحقیقی مطالعہ 'اشاعت کے لئے تیار ہے۔ اس طرح علامہ شبلی نعمانی کی حیات اوران کی علمی اور مذہبی خدمات کے تعلق سے الیاس اعظمی کی تحریر کردہ کتابوں کی تعداد اکیس ہوجائے گی۔

شبلیات کے علاوہ ڈاکٹر الیاس اعظمی کا قلم دیگر موضوعات پر بھی قرطاس پر جلوہ نما ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی نے سوانح اور تذکرے بھی تحریر کئے ہیں۔ 'تذکرۃ القرا '، 'سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ'، 'شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات'، "یگانہ روزگار مولانا عبد السلام ندوی '، 'قرائے عظام اور ان کی علمی و دینی خدمات'، 'عظمت کے نشاں 'اور 'مطالعات ومشاہدات' جیسی کتابیں بھی الیاس اعظمی کے قلمی سرمایہ کا حصہ ہیں۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی کی مقالہ نگاری کا جو سلسلہ پی ایچ ڈی کے لئے 'دارالمصنفین کی تاریخی خدمات 'پر تحریر کرنے سے شروع ہوا تھا وہ بھی جاری ہے۔ اسی مقالے کی بدولت انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی تھی۔ 'عکس واثر 'اور 'قد اور سائے 'ان کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ 'اشاریہ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ '، 'کتابیات مجیب 'اور 'کتابیں 'اول و دوم بھی ان کی تحریر کردہ ہیں۔ آخرالذکر دونوں کتابیں دراصل ان کے تبصروں کا مجموعہ ہیں جو انہوں نے ماہنامہ الرشاد کی ادارت کے زمانہ میں لکھے تھے۔

الیاس اعظمی کو تجوید وقرات کے فن کی بھی بہت اچھی سمجھ ہے۔ 'اسہل التجوید' اور 'علم الترتیل 'جیسی کتابیں اس کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ انہوں نے ممبئی کے اپنے سفر کے تجربات اور مشاہدات کو 'ساحلوں کے شہر میں' کے عنوان سے ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کردیا ہے۔ الیاس اعظمی

ترجمے کے کام میں بھی ہاتھ آزماتے رہتے ہیں۔'رحمت عالم (ہندی ترجمہ) اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ 'ہندو کبھی نہ بنتا' (اردو ترجمہ) اس کے دو ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ تدوین و ترتیب بھی ڈاکٹر الیاس اعظمی کا ایک قلمی مشغلہ ہے۔ علامہ شبلی کی تصانیف 'اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر' اور 'موازنہ انیس و دبیر ' کی انہوں نے تدوین کی ہے۔

'کاروان رفتگاں ' کے عنوان سے مولانا مجیب اللہ ندوی کے وفیاتی مضامین، شاہ افضال اللہ قادری کی 'تاریخ اعظم گڑھ 'مولانا مجیب اللہ ندوی کے اسفار سے متعلق 'اسفار مجیب 'مولانا شاہ معین الدین ندوی کے وفیاتی مضامین 'متاع رفتگاں' کے عنوان سے اور 'کلیات نشور واحدی' (حصہ غزلیات) کو الیاس اعظمی نے ترتیب دیا ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی ادبی حلقوں میں ایک محبوب شخصیت ہیں۔ ان کے چاہنے والے اہل قلم انہیں خطوط لکھتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر الیاس نے اپنے مشاہیر مداحوں کے خطوط کو بھی ایک کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کو عنوان دیا ہے 'محبت نامے'۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی درجنوں کتابیں سپرد قرطاس کر چکے ہیں، لیکن خود ان کے تعلق سے بھی دو کتابیں ان کے چاہنے والے قارئین کو تحفے میں ملی ہیں۔ پروفیسر ریاض الرحمان شروانی نے ڈاکٹر الیاس اعظمی کی کتابوں پر مسلسل تبصرے لکھے جو کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ 'ڈاکٹر الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف'۔ ریاض شروانی علامہ شبلی اور مولانا آزاد کے قریبی ساتھی اور مولی عبید الرحمان خان شروانی کے فرزند تھے۔ ان کا 95 برس کی عمر میں انتقال ہو چکا ہے۔ پروفیسر ریاض الرحمان شروانی خود ایک نہایت قابل شخصیت تھے۔ وہ عربی میں ایم اے تھے۔ اے ایم یو سے عربی میں پی ایچ ڈی کیا۔ اے ایم یو میں ہی عربی شعبے کے سربراہ بھی رہے۔ کشمیر اور قاہرہ یونیورسٹی سے بھی وابستہ رہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد پر تو وہ اتھارٹی تھے۔ ایک طرح سے انہیں 'ماہر ابوالکلامیات ' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پروفیسر ریاض الرحمان شروانی نے خود ڈاکٹر الیاس اعظمی کی سولہ کتابوں پر تبصرے تحریر کئے ہیں۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی کی کتابوں پر اتنی کثیر تعداد میں تبصرے شائع ہو چکے ہیں کہ اگر انہی کو یکجا کر دیا جائے تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ شبلی کے تعلق سے الیاس اعظمی کی پانچ کتابوں پر شائع تبصروں کو شائستہ ریاض نے کتابی شکل دی ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہے 'ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی بحیثیت شبلی شناس' خود ڈاکٹر الیاس اعظمی ایک تبصرہ نگار بھی ہیں۔ تین سو سے زیادہ کتابوں پر وہ تبصرے تحریر کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی کی قلمی خدمات کا اعتراف بھی کیا جاتا رہا ہے۔ الیاس اعظمی کی دو کتابوں کو اتر پردیش اردو اکیڈمی انعامات سے نواز چکی ہے۔ اسی طرح ایک کتاب ''نوادرات شبلی'' پر مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا نے جان گل کرسٹ ایوارڈ سے سرفراز کیا۔ ان کی کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' پر بہار اردو اکادمی پٹنہ بھی انعامات سے نواز چکی ہیں۔

الیاس اعظمی 1994 سے دینی رسالہ 'الرشاد' کے مدیر اعزازی ہیں۔ 2008 سے الیاس اعظمی کو دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اعزازی فیلوشپ سے نواز رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر الیاس اعظمی لاہور سے شائع

ہونے والے مجلّہ 'جہات الاسلام 'اور اسلام آباد سے شائع ہونے والے مجلّہ فکر ونظر کی بین الاقوامی مجلس مشاورت کے رکن بھی ہیں۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی اب اس مرتبے پر فائز ہو گئے ہیں کہ وہ اردو اسکالروں کی مقالہ نگاری کا موضوع بن گئے ہیں۔ پاکستان میں سرگودھا یونیورسٹی کے اردو اسکالر محمد عزیز نے 'ڈاکٹر الیاس اعظمی بحیثیت شبلی شناس 'کے موضوع پر ایم فل کے لئے تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی علامہ شبلی کی شخصیت کے نئے نئے گوشے اور نئے نئے پہلو تلاش کر رہے ہیں اور ان کو تحریر کا لباس عطا کر رہے ہیں۔ ویسے تو علامہ شبلی کے سلسلے میں ان کے ہاتھوں تحریر کردہ ہر کتاب قیمتی اور قابل مطالعہ ہے لیکن 'بیان شبلی اول قدرے مختلف نوعیت کی کتاب ہے۔ یہ کتاب مجموعی طور پر 11 مقالات اور مضامین پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ یا مضمون علامہ کی ادبی، صحافتی، مذہبی اور سیاسی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کا پہلا مضمون ہی میری نظر میں اہم ترین ہے اور وہ ہے تصوف پر علامہ کی وقیع تقریر اور اس تقریر کے بارے میں جزئیات۔ اگر یہ تقریر من وعن منظر عام پر نہ آتی تو تصوف جیسے وسیع موضوع پر علامہ شبلی کے نظریات سے آگاہی نہیں ہوتی۔ اس کتاب کا ایک مضمون مصری مصنف جرجی زیدان کی گمراہ کن کتاب کی رد میں علامہ شبلی کی کتاب 'الانتقاد 'سے متعلق ہے۔ جرجی زیدان کی گمراہ کن تحریر اور اس سے متعلق دیگر پہلو اور خط وکتابت بھی شامل کتاب ہے۔ جرجی زیدان کے عربوں اور اسلام سے متعلق جھوٹے پروپیگنڈے سے علامہ شبلی کو کتنی تکلیف ہوئی تھی اس کا اندازہ بھی اس مضمون سے ہوتا ہے۔ کتاب میں علامہ شبلی کی شاعری، ان کے کلام پر تضمین سے متعلق بھی دلچسپ مضامین شامل ہیں۔ علامہ شبلی کے نو دریافت اور غیر مدون خطوط کی شمولیت بھی اس کتاب کا اہم حصہ ہے۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی کو اگر برصغیر ہند و پاک میں 'ماہر شبلیات ' کہا جاتا ہے تو بے جا نہیں ہے، کیوں کہ وہ علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے 21 کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ علامہ شبلی کے عشق کی مجسم تصویر ڈاکٹر الیاس کی صورت میں موجود ہے۔ علامہ شبلی کی حیات اور مجموعی خدمات کا کوئی پہلو دائرہ تحریر میں لائے بغیر ڈاکٹر الیاس نے چھوڑا نہیں ہے۔ شبلیات کا سلسلہ شروع بھی الیاس اعظمی نے ہی کیا تھا اور اس کو وسیع تر کرنے کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہے۔

خانقاہ بلالیہ صابریہ چشتیہ

الحمدللہ اس خانقاہ میں آیات قرآنی، مسنون دعائیں، چہل قاف، حزب البحر اور اسماء الحسنی کے ذریعہ ہر قسم کے جادو و جنات اور بندش وغیرہ کا مؤثر و کامیاب علاج کیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ 10 تا 15 دن میں علاج مکمل ہو جائے گا۔

رابطہ کیجئے: عامل کامل مولانا مشیر الدین مظاہری خلیفہ، پیر کامل حضرت مولانا شاہ سید بلال حسین تھانوی چشتی قادری صابری نقشبندی سہروردی سے

اوقات: صبح 10 تا 4 بجے دن (جمعہ تعطیل)

مقام: مادناپیٹ، سعید آباد، حیدرآباد۔

فون 9849504398

خیرالنساء علیم۔حیدرآباد

اے کاش.....

ایک عورت اولاد کی پیدائش سے لے کر ان کی تعلیم وتربیت تک کی کڑی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کرتی ہے۔اس کے قدموں تلے جنت ہے پھر اس کا شوہر سسرال والے یا معاشرہ کون ہوتا ہے جو اس کے حقوق سے انکار کرے؟ دراصل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے بعد اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو وہ شوہر ہے۔اسی لیے اپنی عورتوں کی تقدیر کے مالک بھی وہی ہیں۔درحقیقت ہمارے معاشرہ کے مرد اپنا ضمیر ہی تو کھو بیٹھے ہیں اور عورتوں بعض خواتین کی قابل رحم زندگیوں کو مثال بنا کر خود کو اس لحاظ سے خوش قسمت تصور کرتی ہیں کہ وہ کسی قدر کم ظلم کا شکار ہیں۔ یعنی معاشرہ اور اپنے گھر کے سکون بگاڑ میں مرد وعورت دونوں ہی برابر کے شریک ہوئے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت میں مرد کی بہ نسبت برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ مالی حالات اور معاشرتی حالات خواہ کچھ بھی ہوں۔عورت اگر اپنے شوہر کے طرز عمل سے اور گھر کی جانب سے پرسکون ہو تو بڑی سے بڑی آزمائش سے بھی گزر جاتا ہے۔ہر قسم کے حالات میں ہمت وحوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف گھر اور گھر والوں کو پیار، محبت سے مل جل کر رہنے کی تلقین کرتی ہے بلکہ مسئلوں کے حل کے لیے بہت سے اقدامات بھی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

شریعت اگر مرد کو چار شادیوں کا اختیار دیتی ہے تو عورت کو بھی اپنے مرد سے خلع کا پورا حق ہے جو اس کے بنیادی حقوق ادا نہ کرتا ہوں.....اسے معاشرتی تحفظ نہ دے سکتا ہو،لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ شوہر کے بے جا ظلم برداشت کرنے والی عورتیں ہی سرخرو سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف شوہر کی زیادتیوں پر آواز اٹھانے والی خواتین کو ہی طرح طرح کے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ان کی ہر خوبی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔معاشرتی طور پر ان سے خلع کا جائز حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ وہ طعنوں سے بچنے اور اپنے والدین کی عزت کی خاطر اپنے منہ پر تالا لگائے رہتی ہیں۔ پھر ایسی بھی بہت سی خواتین ہیں جن کو علیحدگی کے نام پر بچوں سمیت والدین کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔نہ انہیں طلاق ہی دی جاتی۔نہ ان کے اخراجات کے لیے رقم ہی دی جاتی ہے۔ اب اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا؟

اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ مسائل کس گھر میں نہیں ہوتے،گھر بنانے کے لیے اور عزت کی خاطر کم وبیش یہ قربانی ہر عورت کو دینی پڑتی ہے۔گویا پھر عورت کی اس قربانی کی تشریح بھی غلط ثابت ہوگئی۔

عورت کی اصل قربانی تو اسی وقت سے شروع ہوجاتی ہے جب ایک لڑکی اپنا گھر بار اور سب کچھ چھوڑ کر شوہر کے گھر کو اپنا سمجھتی ہے اور اس کے گھر کے طور طریقوں میں ڈھلنے کی کوشش کرتی ہے حتیٰ کہ بعض صورتوں میں اسے اپنی پسند ناپسند، ضروریات، خواہشات اور رائے تک کو اسی رنگ میں رنگنا پڑتا ہے اور یہ سب کرتی ہے تو شوہر اور گھر کی خوشی کی

خاطر..... بلاشبہ یہ نظام قدرت ہے اور اس اچھی مصلحت میں عافیت پوشیدہ ہے۔ لیکن ایسا تو نہیں ہونا چاہئے کہ کسی بھی لڑکی سے اس کے خیالات، ذاتی رائے، نظریات اور سوچ تک بدلنے کی کوشش کی جائے یا بدلنے پر زور دیا جائے۔ وہ گھریلو دیگر فرائض بہ حسن خوبی انجام دینے کے باوجود بھی اگر وہ ایسا نہ کر پائے تو اس کو بداخلاق نہ تسلیم کیا جائے۔ اس کو نئے طور طریقے سمجھنے کا موقع اور وقت دیا جائے۔ ایک انسان جو خاص ماحول میں پیدا ہوا پلا بڑھا ہے اور اپنے خاص پس منظر کی وجہ سے مختلف خیالات رکھتا ہے تو جب تک اس کے خیالات کسی کو تکلیف یا نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس وقت تک اس کو اپنی سوچ اپنے خیالات کو تبدیل کرنے کی خواہش کیوں ظاہر کی جائے۔ ہم سب ہی عورتوں کی آزادی اور اس کے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر ہم پہلے ہی باقی نہ رہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عورت بھی اس بیگاڑ میں برابر کی شریک ہے۔ وہ کیوں خود کو کٹھ پتلی بننے دیتی ہے؟ کیوں اپنی ہمت وحوصلے، برداشت، حقوق، فرائض، قربانی، عزت ونفس کی انتہائی غلط تشریح پر آنکھیں موندے بیٹھی ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کے جواب میں اس کا ذہن بے شمار نئے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔ کہ کیا معاشرہ مجھے جینے دے گا..... کیا کوئی دوسرا مجھے قبول کرے گا..... میرے والدین کی عزت وناموس؟ میری چھوٹی بہنیں اور بھائیوں کا مستقبل؟ بچوں کے ساتھ میری زندگی گزرے گی؟ میں اکیلی عورت، کس سے جواب طلب کروں؟ جبکہ مجھے سب کے جواب دینے ہوں گے۔ ان سب خیالات کے پیش نظر وہ ہر زیادتی سہنے کی ہمت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، جس کی وجہ سے مرد لاپرواہ اور بے حس ہو جاتا ہے۔ اس بے حسی کو روکنے کے لیے بچپن سے ہی لڑکوں کو بھی سخت تربیت کا ماحول فراہم کرنا ہوگا۔ ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی بجائے انہیں سزا دی جانی چاہئے۔ ہماری ذہنیت لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت کے لیے ہمیشہ سے مختلف رہی ہے جس کا بگاڑ ہمارے سامنے ہے۔ اب بھی ہم مائیں اگر بیٹیوں کی درست ڈھنگ سے تربیت کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ کچھ برسوں بعد بے حد اچھے نتائج سامنے ہوں گے۔ حق خواہ کسی کا بھی ہو اگر جائز اور بنیادی ہے تو اس کی ادائیگی فرض کا درجہ رکھتی ہے اور اسی میں عافیت بھی ہے اور اگر کسی کو اس کے حق سے محروم کیا جاتا ہے تو اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔ افسوس یہ ظلم ہمارے معاشرے میں عام ہو چکا ہے۔

ظلم کیا ہے؟ کسی حقدار کو اس کے بنیادی حق سے محروم کرنا ظلم ہے..... اختیارات اور طاقت کا غلط اور بے جا استعمال ظلم ہے۔ کسی پر بے جا بہتان یا الزام لگانا ظلم ہے۔ جسمانی، ذہنی یا نفسیاتی ایذا پہنچانا ظلم ہے گویا بنیادی طور پر کسی کے حقوق کی عدم ادائیگی اور اپنے فرض سے کوتاہی ظلم ہے اور یہ ہی معاشرہ میں ہر قسم کے شر کی بنیادی وجوہات ہیں۔

درحقیقت ہماری بنیادی تشریحات ہی غلط ہیں۔ حقوق کی، ظلم کی، عورت کے ہمت وحوصلے اور برداشت کی، عورت کی قربانی کی اور مرد کے اختیارات کی..... ہر ایک اپنی حد میں رہنے کی کوشش کرے۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں۔ سننے، سوچنے، سمجھنے اور اس کے بعد عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اپنی غلطیوں کو کھلے دل کے ساتھ قبول کریں۔ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ شروع ہی سے بچوں کی تربیت میں چھوٹے بڑے کا رجحان نہ بنائیں۔ ایک دوسرے سے ہمدردی کا جذبہ پیدا کریں۔

ڈاکٹر محمد ناظم علی۔نظام آباد حیدرآباد

حیدرآباد دکن میں اقبال شناسی: ایک جائزہ

حیدرآباد دکن میں اہل علم کی بہتات رہی ہے اور یہاں اردو زبان وادب کے ادباء وشعراء پر تحقیقی وتنقیدی کام ہوا ہے ویسے یہاں کے بادشاہ علم وادب پرور تھے انہوں نے نہ صرف مقامی شعراء وادباء بلکہ بیرون شہر حیدرآباد سے آنے والوں کی سرپرستی کی ان کی مختلف حیثیت سے معاونت کی۔ حیدرآباد دکن میں محمد قلی قطب شاہ سے لے کر آج تک اردو زبان وادب کو ہمہ جہت انداز سے پروان چڑھایا جارہا ہے حیدرآباد ایک ادبی ولسانی دبستان مانا جاتا ہے یہاں عمیق مطالعہ اور علم کی گہرائی کی وجہ سے بعض غالب۔انیس۔اقبال کے ماہرین پیدا ہوگئے۔ حیدرآباد میں خاص کر اقبال پر بہت کام ہوا۔ ہورہا ہے۔ حیدرآباد میں اقبال اکیڈمی برسوں سے قائم ہے اور ملک میں مختلف شہروں میں ماہرین اقبال اور اقبال چیر واکیڈمی پائی جاتی ہے۔ غالب کی طرح اردو ادب میں اقبال کا مقام اعلیٰ وبلند ہے اقبال کی فکر اور فلسفہ نے دنیا کو متاثر کیا اور عالم اسلام میں اقبال کی بہت قدر افزائی ہوئی۔ اقبال کا کلام قرآن اور قرآنیات کا پیکر ہے اسلامی قدریں تاریخ۔ تعلیمات اقبال کے کلام میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ حیدرآباد میں بھی محافل اقبال منعقد ہوتی ہیں، جن میں جامع مسجد عالیہ سانچہ توپ گن فاونڈری حیدرآباد تلنگانہ میں اقبال پر ہفتہ واری لکچرز وخطابات ماہرین اور دانش وروں کے ہوتے ہیں۔ اب تک کئی ہزار لکچرز اقبال کے فکر وفن۔ حیات۔سیرت۔خدمات پر منعقد ہوئے۔ اس لکچر کا آغاز ۸/اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ہوا۔ ۹/اکتوبر ۲۰۱۹ء تک ۱۰۰۰/خطابات لکچرز مکمل ہوچکے ہیں اس کے بعد بھی تادیر تحریر یہ سلسلہ جاری ہے ان محافل کے کنوینر غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ ہائی کورٹ ہیں ہر مقرر کو آپ عنوان ان کی مرضی سے طے کرنے کی آزادی دیتے ہیں تاکہ خطاب کھل کر ہو جو موضوع اپنی مرضی سے ہوتا ہے وہ کافی موثر اور عمدہ ہوتا ہے ۱۰۰۰/لکچرز کے ہزار موضوعات وعنوانات ہیں یہاں تفصیل لکھنے کا موقع نہیں ہے البتہ کون کتنے لکچر دیا ہے ان کی تفصیل آسکتی ہے کس نے دیا ہے ان میں قابل ذکر

(۱) جناب محمد ظہیر الدین احمد
(۲) جناب محمد ظہیر الدین
(۳) سید شاہ مصباح الدین شکیل
(۴) ڈاکٹر مرتضی صدیقی
(۵) ڈاکٹر عقیل ہاشمی
(۶) ڈاکٹر کریم رضا
(۷) جناب مصلح الدین سعدی
(۸) پروفیسر ایم ایم تقی خان
(۹) جناب ضیاء الدین نیر
(۱۰) ڈاکٹر محمد عبدالمنان
(۱۱) جناب ضیاء الدین احمد شکیب
(۱۲) جناب یوسف اعظمی
(۱۳) جناب سید حامد علی
(۱۴) ڈاکٹر غلام عمر خاں
(۱۵) ڈاکٹر محمد عبدالحلیم اقبال

(۱۶) سید امتیاز الدین
(۱۷) ڈاکٹر خلیق انجم
(۱۸) مولانا رضوان القاسمی
(۱۹) جناب محمد اسحاق
(۲۰) مولوی حمایت المقیت صدیقی
(۲۱) جناب مظفر حجاز
(۲۲) جناب طیب الفاری
(۲۳) پروفیسر محسن عثمانی
(۲۴) جناب نذیر الدین احمد
(۲۵) جناب شاہد حسین زبیری
(۲۶) پروفیسر یوسف سرمست
(۲۷) پروفیسر انیس چشتی
(۲۸) پروفیسر یوسف کمال
(۲۹) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۳۰) جناب روف خلش
(۳۱) ڈاکٹر اوصاف احمد (جدہ)
(۳۲) جناب سید مقرب حسینی خاموشی
(۳۳) جناب سید شکیل احمد
(۳۴) جناب علی ظہیر
(۳۵) ڈاکٹر خلیل الرحمٰن راز
(۳۶) ڈاکٹر فخر عالم اعظمی
(۳۷) جناب ایاز الشیخ
(۳۸) پروفیسر خواجہ ناصر الدین
(۳۹) ڈاکٹر یوسف اعظمی
(۴۰) ڈاکٹر روف خیر
(۴۱) پروفیسر خالد سعید
(۴۲) جناب نعیم جاوید ksa
(۴۳) جناب ای اسماعیل ریٹائرڈ جج
(۴۴) حافظ مفتی وڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی
(۴۵) پروفیسر مجید بیدار
(۴۶) ڈاکٹر سید تقی عابدی کنیڈا
(۴۷) ڈاکٹر ایم اے کے فاطمی
(۴۸) پروفیسر رحمت یوسف زئی
(۴۹) ڈاکٹر لقاء الحق
(۵۰) جناب محمد عظمت اللہ

۹/اکتوبر ۲۰۱۹ء تک ۱۰۰۰/رواں لکچرز اقبال کی فلاسفی میں عالم نو کے معمار پروفیسر خواجہ ناصر الدین نے دیا ہے۔ ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی اور اس کے بعد لگاتار ہفتہ واری جلسے اقبال شناسی پر ہو رہے ہیں۔ مسجد عالیہ کے کانفرنس ہال میں منعقدہ جلسوں پر صرف زیادہ عمر کے افراد آرہے ہیں نوجوان نسل مفقود ہے اور ۲/جلسے عصر کی نماز کے بعد بسکٹ چائے سے فارغ ہونے کے بعد ۳۰/یا ۴۰/منٹ میں مکمل ہو جاتے ہیں لیکن موضوع سے انصاف کرنے کے لیے کم از کم ۶۰/منٹ ایک گھنٹہ تو ہو، چاہے سوالات جوابات کا سلسلہ ندارد رہے اور اقبال پر صرف ان لوگوں کو لکچر دینے کے لیے مدعو کیا جاتا ہے جو بار بار یہاں آکر لکچر دے چکے ہیں نئے مقرر جس میں کالجوں سے وابستہ لکچرر کو مدعو کریں تاکہ جدت ندرت تازگی کا احساس ہو۔ کالج میں پڑھانے والے لکچرار برسوں سے اقبال کو نصاب میں پڑھاتے ہیں، ماہر اقبال واقبالیات میں شمار ہو سکتے ہیں اور یہ طریقہ ٹھیک ہے مقرر نے جو موضوع دیا اس پر لکچرر رکھا جاتا ہے ان لکچرز کو جمع کرنا، کتابی شکل دی جائے تاکہ اقبال شناسی اقبال فہمی میں اضافہ ہو اور اسکالر کے لیے ایک نعمت ثابت ہو، میں جناب غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ کے ذوق وشوق کی داد دیتا ہوں کہ اس عمر میں اس طرح کی محافل منعقد کرواتے ہیں۔

صبیحہ شمیم۔ پی ایچ ڈی، اردو، تلکا مانجھی بھاگل پور (بہار)

اردو ناول نگاری میں خواتین کا حصہ

اردو میں ناول نگاری کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا تھا۔ داستان گوئی کے بعد اردو ناول کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ناول کو داستان کی ترقی یافتہ شکل بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں تخیل سے زیادہ حقیقت کو دخل حاصل ہے۔ ناول کا زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ ناول میں زندگی کے سارے راز و نیاز کو حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ناول ایک ایسا نثری قصہ ہے جس میں ہماری حقیقی زندگی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ ساتھ ہی ناول اپنے عہد اور ماحول کی سچی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ اس ضمن میں سہیل بخاری فرماتے ہیں:

''ناول انسان کی باطن اور خارجی زندگی کے تصادم کا ایک مسلسل نثری قصیدہ ہے جو قدیم افسانوں کی بہ نسبت ہماری زندگی سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔'' (اردو ناول نگاری/سہیل بخاری۔ ص ۱۱)

اردو میں ناول کی تاریخ سو سال سے زیادہ پرانی ہے۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ خواتین نے مردوں کے بعد اس میدان میں قدم رکھا۔ بیسویں صدی کے اوائل تک ہندوستانی سماج میں شعر و ادب پر صرف مردوں کی اجارہ داری تھی۔ خواتین کے لئے اس کوچے میں قدم رکھنا مذہبی اور معاشرتی رسوائی کا باعث تھا۔

خواتین کی ناول نگاری کی ابتداء انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہوئی۔ بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک خواتین کے تحریر کردہ متعدد ناول منظر عام پر آچکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عام ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی حالت زوال پذیر تھی۔ تعلیم کے فقدان کی بنا پر جہالت کی ساری برائیاں مسلم معاشرہ کا حصہ تھیں۔ توہم پرستی اور غلط رسم و رواج کی بھیڑ سی تھی۔ عام مسلم خواتین کی حالت اور بھی ابتر تھی۔ اس لئے شروعاتی خواتین ناول نگاروں نے ایک عرصے تک اپنے قلم کو اپنی ہم جنس دوسری خواتین کی اخلاقی تربیت کے لئے ہی استعمال کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کوششیں کی کہ ان کے نسوانی حقوق کی حفاظت بھی کریں۔ اس سلسلے میں رشیدۃ النساء (اصلاح النساء) ۱۸۹۵ء صغرنی بیگم ہمایوں مرزا (زہرہ) ۱۹۰۶ء ار (سرگزشتِ ہاجرہ) ۱۹۲۲ء محمدی بیگم (صفیہ بیگم) فاطمہ بیگم (صبر کا پھل، کرنی کا پھل)، نذر سجاد حیدر (اختر النساء، بیگم، حرماں نصیب) ۱۹۱۰ء حجاب امتیاز علی (مری ناتمام محبت) ۱۹۳۲ء وغیرہ ان تمام خواتین ناول نگاروں کا تعلق ابتدائی عہد سے ہے۔ ان ناولوں میں سارے معاشرتی رسوم کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اصلاحِ معاشرہ جیسے پہلو کو زیادہ فوقیت دی گئی ہے۔

مذکورہ بالا خواتین ناول نگاروں کے علاوہ آزادی

سے قبل کی خواتین ناول نگاروں اور آزادی کے بعد کی خواتین ناول نگاروں کے ناول کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس عہد کے تمام ناول اپنے عہد کی تصویر کشی میں معاون نظر آتے ہیں۔ ان ناول نگاروں میں عصمت چغتائی، صالحہ عابد حسین، قراۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، شارعزیز بٹ، جمیلہ ہاشمی، بانو قدسیہ اور جیلانی بانو وغیرہ اہم ہیں۔

خواتین ناول نگاروں کی دنیا میں عصمت چغتائی اپنا ایک الگ اور انوکھا مقام رکھتی ہیں۔ عصمت چغتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اس دور میں حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ عصمت کے ناول کا زیادہ تر موضوع متوسط گھرانے کا ماحول ہے۔ عصمت خود بھی ایک متوسط اور آزاد خیال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آزادی سے سوچنے کی عادت اور صاف گوئی نے عصمت سے ایسے ناول لکھوائے جن کے لئے بیک وقت وہ بدنام بھی ہوئیں اور خواتین ناول نگاری کی دنیا میں نام بھی کمایا۔ انہوں نے کل سات (۷) ناول لکھے۔ جن میں ضدی (۱۹۴۱ء) ان کا پہلا ناول ہے۔ یہ ایک رومانی ناول ہے۔ عصمت کا تحریر کردہ ناول ''ٹیڑھی لکیر'' بھی بیش بہا حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ معصومہ، سودائی، عجیب آدمی، دل کی دنیا، ایک قطرہ خون، بھی عصمت کے بہترین ناول ہیں۔ ان کی ناول نگاری کے سلسلے میں خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

''ہندوستانی معاشرت میں اخلاقی پابندیوں اور جنسی شعور کی مناسب نشو ونما نہ پانے کی وجہ سے متوسط طبقے کی ایک ذہین اور ہونہار لڑکی جس طرح نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتی ہے اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر جس جس نوعیت سے پڑتا ہے اس کی جتنی کامیاب عکاسی عصمت نے کی ہے اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے'' (اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک/خلیل الرحمٰن اعظمی/ص ۲۱۰)

صالحہ عابد حسین نے کل نو (۹) ناول لکھے ہیں ''عذرا'' ان کا پہلا ناول ہے۔ ان کے ناول انسانیت، وطن دوستی اور ایثار و قربانی کا لائحہ عمل فراہم کرتے ہیں۔ ان کے یہاں رومانی فضا کم ہوتی ہے اور وہ خود کو عام سماجی اور معاشرتی مسائل کی تصویر کشی تک محدود رکھنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔

اردو ناول کے منظر نامے پر قراۃ العین حیدر کا نام روشن و تابناک ہے۔ آپ کی ادبی اہمیت کو سراہتے ہوئے آپ کو گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ قراۃ العین حیدر نے نئی حقیقت نگاری کی روایت قائم کی جسے ''تاریخی حقیقت نگاری'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے سات (۷) ناول اور پانچ (۵) ناولٹ لکھے۔ آپ کا تحریر کردہ ناول ''آگ کا دریا'' (۱۹۵۹ء) اردو ناول کو ایک نئی سمت و رفتار عطا کرتا ہے۔ اس ناول کا دائرہ کافی پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ہندوستانی تہذیب و تاریخ کے ڈھائی ہزار سال سمیٹ لئے گئے ہیں۔ اس میں پہلی بار ''شعور کی رو کی تکنیک'' کو پوری توجہ کے ساتھ برتا گیا ہے۔ اور وقت کو اس ناول کا متحرک کردار بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کے سلسلے میں وحید اختر فرماتے ہیں:

''اس ناول کا موضوع ہے انسانی وجود اور پھر اس ناول کا سب سے بڑا، سب سے اہم، جاندار فعال اور تواناں کردار وقت ہے۔ آگ کا دریا پہلا اردو ناول ہے جو انسانی وجود اور اس کے مسائل پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔'' (اردو فکشن، آل احمد سرور، ص ۲۲۴)

ناول ''آگ کا دریا'' کے علاوہ میرے بھی صنم خانے، کار جہاں دراز ہے، آخری شب کے ہمسفر، گردشِ رنگ و چمن اور چاندنی بیگم کے حوالے سے بھی قراۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اردو ناول نگاری کی دنیا میں خدیجہ مستور بھی قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے دو ناول ''آنگن'' (۱۹۶۳ء) اور زمین (۱۹۸۴ء) لکھے۔ ان کے دونوں ناول میں تحریک آزادی، برصغیر کی تقسیم اور تقسیم کے بعد پیدا ہونے والی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔

جیلانی بانو کا ناول ''ایوانِ غزل'' (۱۹۷۶ء) بھی ادبی دنیا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس ناول کا اسلوب بھی فطری اور بے ساختہ ہے۔ حیدرآبادی زبان کی مخصوص جھلکیاں یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ''بارشِ سنگ'' (۱۹۸۵ء) بھی جیلانی بانو کا کامیاب ناول ہے۔ جس میں حیدرآباد اور اس کے نواح کے دیہاتوں میں جاگیرداروں اور ساہوکاروں کے ظلم و جبر کے خلاف عوام کے غم و غصہ اور اضطراب کو بیان کیا گیا ہے۔ جو تلنگانہ تحریک کے جنم لینے کا باعث بنا۔

مذکورہ بالا ناول نگاروں کے علاوہ صغریٰ مہدی، واجدہ تبسم، آمنہ ابوالحسن، ترنم ریاض، صادقہ نواب سحر، ساجدہ زیدی، زاہدہ زیدی وغیرہ بھی اہم نام ہیں۔

مذکورہ بالا تمام ناول نگاروں کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو ناول کو ارتقائی سفر طے کرانے میں سبھی نے اپنی اپنی علمی معاونت دی ہے۔

ضیا فاروقی

خورشید کامگار ہیں
الیاس اعظمی

پر لطف و پروقار ہیں الیاس اعظمی
اردو کے جاں نثار ہیں الیاس اعظمی
لکھا ہوا ہے ان کا ہر اک لفظ مستند
لفظوں کا اعتبار ہیں الیاس اعظمی
روشن ہے آسمان ادب ان کی ذات سے
خورشید کامگار ہیں الیاس اعظمی
شبلی پہ ان کا لکھا ہوا سب ہے معتبر
شبلی کے جانکار ہیں الیاس اعظمی
میدان شبلیات میں ہے ان کا رخش فکر
پیدل ہیں ہم سوار ہیں الیاس اعظمی
دارالمصنفین کی رونق ہیں آنجناب
اس باغ کی بہار ہیں الیاس اعظمی
تشنہ لبان علم و ادب کہ نگاہ میں
صحرا میں آبشار ہیں الیاس اعظمی
لکھے قصیدہ ان کا ضیا کی بساط کیا
اپنے میں بیشمار ہیں الیاس اعظمی

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجے نگر کالونی، حیدرآباد تلنگانہ

استانی ماں

کرونا کی وبا بہت زور وشور پر ہونے کی وجہ سے تعلیمی اداروں کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ بچے اسکول نہ ہونے کے سبب گھر بیٹھے بیٹھے بیزار ہورہے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ میں اپنے عزیز کے یہاں کچھ دنوں کے لیے بچوں کے ساتھ گاؤں چلوں۔ شہر سے قریب اس گاؤں میں ایک بہت ہی باعمر استانی ماں رہتی ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بھی شوق ہوا۔

استانی ماں پڑھی لکھی اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب ان کے خاوند کا انتقال ہوا، جو بڑے عہدے پر فائز تھے، وہ اپنے آپ کو بہت ہی اکیلی محسوس کرنے لگیں حالانکہ ان کی اپنی اولاد تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ تھے۔ جیسے ہی استانی ماں بیوہ ہوئیں، جو کافی عمر رسیدہ ہیں، حج کرنے کا موقعہ ملا حج سے واپس آنے کے بعد انہوں نے قریب کے گاؤں میں اپنا ٹھکانا بنایا۔ گاؤں کے لڑکے لڑکیوں کو تعلیم سے سنوارنا شروع کیا۔ مجھے ان کی خدمات کا پتہ چلتا رہا۔ یہی وجہ تھی جو مجھے اس گاؤں آنے پر آمادہ کیا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد میں اور میری اہلیہ استانی ماں کے ہاں پہنچے۔ پردے کی اتنی پابند کہ دیکھنے والوں پر ایک ہیبت طاری ہوجاتی کہ چہرے کی جھریاں ان کی عمر کا پتہ دے رہی تھیں۔ بات کرتیں تو موتیاں بکھر جاتی تھیں۔ ہر لفظ میں ایک نہ ایک خوبی چھپی ہوئی تھی۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ ہم نے کتنی دیر استانی ماں کے یہاں گزارا۔ تیسرے دن ہم نے انہیں دعوت پر مدعو کیا۔ وقت کی فراوانی تھی۔ بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی، وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے کچھ لمحات بتاتے ہوئے کہنے لگیں کہ: ''لڑکیوں پر جب وہ شادی کے لائق ہوجاتی ہیں، بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے۔ بڑے بڑے عہدوں پر جو فائز ہوتے ہیں ان کو اچھی خاصی تربیت، علمی اور عملی دی جاتی ہے۔ تجربہ کار افسروں کے تحت کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ ان تجربات سے مسئلے اور مرحلے حل کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے برعکس ہم اپنی لڑکیوں کو میکے سے سسرال روانہ کردیتے ہیں۔ اپنے گھر کا ماحول، تربیت، تہذیب اور نئے گھر کے حالات کا یکساں ہونا بہت مشکل ہے۔ ایسے حالات میں اپنے آپ کو نئی نویلی دلہن اپنے سسرال کا دل جیتنا ایک مشکل ترین عمل ہوتا ہے۔ بعض دفعہ غلط فہمی سے بات بگڑ جاتی ہے۔ عمروں کی نوخیزگی اس غلط فہمی میں آگ پر تیل ڈالنے کا معاملہ بن جاتا ہے۔ اگر سسرالی بڑے حضرات صبر سے کام لیں تو معاملات ایک حد تک سلجھ جاتے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی قانونی حل کی طرف توجہ کریں تو بات وقتیہ طور پر بنتی ہے لیکن شیشے میں بال آجاتا ہے۔ مجھے استانی ماں کی باتوں سے ایک طرح کی

نصیحت حاصل کرنے کا موقع ملا کیونکہ میری بھی اولاد ہے۔

باتیں ہوتی رہیں۔ چائے کا دور چلتا رہا۔ بہت دنوں بعد مجھ جیسے شہر سے آئے ہوئے بھلے مانس سے بات کرنے کا موقع استانی ماں کو ملا۔ کہنے لگیں کہ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو تعلیمی دور میں مذہب سے قریب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جیسے ہی ان کی شادیاں ہوجاتی ہیں، اپنی سطحی مذہبی معلومات بروئے کار نہیں لاتے۔ ایسا کرنے سے آنے والی نسل پر اچھا اثر پڑنے میں دقت ہوتی ہے۔ لاڈ اور پیار میں جب اولاد پروان چڑھتی ہے تو ایسی اولاد اپنے سسرال میں آنکھوں کا تارا بننے میں مشکل کا سامنا کرتی ہے۔

اب وقت گزرتا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں اس وقت شجرِ حیات کے اس نازک ٹہنی پر ٹھہری ہوں کہ گھڑی کی ٹک ٹک یہ باور کرارہی ہے کہ یہ پیڑ یہ وقت کی کلہاڑی کاٹ رہی ہے۔ شہروں میں مکانات چھوٹے ہوتے جارہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مکینوں کے دل بھی سکڑتے جارہے ہیں۔ گاؤں میں آنگن ہوا کرتے تھے اور کئی درخت پھولوں سے لدے ہوئے ہوتے تھے۔ بیت الخلا رہن سہن کی جگہ دور ہوتا تھا لیکن اب شہروں میں جو چیز باہر رہنی چاہئے وہ اندر آگئی۔ تعلیمی مراکز جو آٹھ آٹھ سال دس دس سال کے کورس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی، آج کل بعض مدرسوں میں مختصر کردیئے گئے ہیں۔ استادوں اور استانیوں کا جو اثر طلباء وطالبات پر پڑتا تھا، اب کم ہوگیا ہے۔ جو طلباء وطالبات ان شہری تعلیم گاہوں سے نکلتے ہیں ان کے ہاتھوں میں تو سند ہوتی ہے لیکن وہ مطلوب افکار نہیں ہوتے جس کی وجہ سے بعض جگہ قابل قدر مذہبی اشخاص کے یہاں بھی مسئلے پیدا ہوجاتے ہیں''۔

استانی ماں کی ان باتوں سے میں نے اخذ کیا کہ اپنی اولاد کی پرورش میں جو نکتے انہوں نے بتائے اس کی روشنی حاصل کرتے ہوئے پروان چڑھائیں۔ انہوں نے یہ بتانے سے بھی گریز نہیں کیا کہ طالبات دینی علم حاصل کرنے کے باوجود آخرت کی فکر میں پیوست ہونے کے علاوہ دنیا کی رنگینی سے اپنی آنکھیں چکاچوند کرلیتی ہیں۔ بعض چار پہیوں والی گاڑی کے دلدادہ ہوجاتے ہیں جو کبھی جن کے گھروں میں دو پہیوں والی گاڑی بھی میسر نہیں تھی۔ جس جگہ انہوں نے تعلیم حاصل کی وہ جگہ بالکل ہی معمولی سہولتوں کے ساتھ تھی لیکن حالات جیسے ہی یہ سسرال میں پہنچی اپنے آپ کو اس دنیوی رنگینیوں کو اپنانے میں پہل کی۔ گھر کے بزرگوں رشتہ داروں اور ملنے جلنے والوں کا پاس رکھنا گوارا محسوس نہیں کیا۔

مجھے محسوس ہوا کہ کہیں استانی ماں کی باتوں میں اپنی گزری ہوئی زندگی کے حالات کی پرتو تو نہیں۔ استانی ماں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نے ان کو ان کے مکان چھوڑ آئے۔ ان کا بہت ہی احترام سے وداع لیتے ہوئے اپنے یہاں واپس لوٹ آئے۔ ان دنوں ہم بار بار استانی ماں سے مستفیض ہوتے رہے۔ ہم نے بچوں کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے کیونکہ نہ یہاں تفریح کے کچھ سامان ہیں اور نہ کوئی کھیل تماشہ، ہم لوگ شہر لوٹ چلے۔

ڈاکٹر محمد خواجہ مخدوم محی الدین۔اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ اُردو،ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی،حیدرآباد

میڈیا کی معاشرتی ذمہ داری

اجتماعی ذرائع ابلاغ نے رواں صدی میں اپنی مختلف شکلوں میں انسانی زندگی پر اثر ڈالا ہے۔انہوں نے بنیادی طور پر تمام ممالک کے لوگوں کو معلومات اور تفریح فراہم کی ہے۔ پرنٹ میڈیا،جس کا کافی عرصے تک قائدانہ رول رہا ہے،اب اسے ٹیلی ویژن سے مسابقت کرنا ہے،جو بہت سارے معاشرتی ردعمل کو بدل رہا ہے۔خبروں اور نظریات کی فراہمی کے علاوہ ریڈیو نے تفریح کے لیے بھی چاہ پیدا کی ہے،جس کی وجہ سے اسے کافی قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ایک نیا میڈیا بھی ہے جس میں انٹرنیٹ اس کا ''پرچم بردار'' ہے۔انٹرنیٹ نے واقعی پوری دنیا میں بہ یک وقت معلومات اور نظریات کو پھیلانا ممکن بنایا ہے۔تاہم،ان تمام پیشرفتوں میں تشویش کا عنصر بھی ہے۔کیا واقعی میڈیا اپنی معاشرتی ذمہ داری پوری کررہا ہے؟ کیا مسلسل فروغ پذیر عالمی اجتماعی ذرائع ابلاغ جمہوری طریقہ سوچ وفکر کے لیے خطرات بن رہے ہیں؟ کیا یہ ہندوستان جیسے ملک کے لیے چیلنج کھڑا کررہے ہیں جہاں میڈیا کو محض معلومات اور تفریح فراہم کرنے کے بجائے عظیم تر کردار ادا کرنا ہے؟

عوامی گوشے میں میڈیا سے متوقع معاشرتی ذمہ داریوں کو گہری بنیادوں کے ساتھ میڈیا بطور ''چوتھا ستون'' کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔یہ اصطلاح انگلینڈ میں ایڈمنڈ برک نے پیش کی تھی۔کمیشن برائے آزادئ صحافت 1947ء کے قیام کے ساتھ ہی میڈیا کی سماجی ذمہ داری مباحثہ کا ٹھوس موضوع بن گئی۔ یہ امریکن پریس میں بڑے پیمانے پر کاروباری اور سنسنی خیزی پیدا کرنے کی روش اور اجارہ داری کے طریقوں کی طرف اس کے خطرناک رجحان کے تناظر میں تشکیل دیا گیا تھا۔ہچنس کمیشن کی رپورٹ ،جیسا کہ اسے نام دیا گیا،پریس کے معاملے میں معاشرتی ذمہ داری اور متوقع صحافتی معیارات کے بارے میں اس کا موقف روایت شکن رہا۔اس کمیشن کے نتیجے میں حاصل شدہ نظریہ سماجی ذمہ داری بعض مخصوص اُصولوں کے بل بوتے پر طے کیا گیا۔ان اصولوں میں یہ شامل کیا گیا کہ میڈیا کی ملکیت عوامی اعتماد ہے اور میڈیا پر معاشرے کے تئیں کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں ؛ نیوز میڈیا منصفانہ ،معروضی، حسبِ حال اور سچا ہونا چاہئے، صحافت کی آزادی ہونی چاہئے مگر خود کو ضابطے کے تابع رکھنے کی بھی ضرورت ہے؛ اس کو پیشہ ورانہ ضابطہ اخلاق اور اخلاقیات کی پاسداری کرنی چاہئے اور اگر بعض حالات میں مفاد عامہ میں خلل پیدا ہوتا ہے تو حکومت کا مداخلتی کردار بھی ہوسکتا ہے۔

شہریوں کو معاشرے کی تبدیلیوں سے آگاہ کرتے ہوئے اور جانکاری پر مبنی فیصلے کرنے میں ان کی مدد کرتے ہوئے میڈیا جمہوریت کو اس کی اصل کے مطابق کام کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ یہ منتخب نمائندوں کو ان لوگوں کے سامنے جوابدہ بھی رکھتا ہے جنھوں نے انہیں منتخب کیا۔چناں چہ میڈیا یہ پہلو اُجاگر کرتا ہے کہ آیا انہوں نے اُن کی اُمنگوں کو پورا کیا ہے جن کے لیے وہ منتخب ہوئے اور کیا وہ اپنے عہدے کے حلف پر کاربند رہے ہیں۔مثالی جمہوری ڈھانچے میں کام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو سرکاری اور خانگی گرفت سے آزاد رہنے کی

ضرورت ہے۔عوامی مفادات کی تکمیل کے لیے اسے مکمل ادارتی آزادی درکار ہے۔جمہوریت کے پھلنے پھولنے کے لیے متنوع ذرائع اور قابل اعتبار آوازوں کے لیے مختلف پلیٹ فارم تیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔اس پہلو پر پہلے ہی روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ میڈیا کو جمہوریت کا 'چوتھا ستون' مانا جاتا ہے۔ جمہوریت متبادل نظریات کے لیے گنجائش فراہم کرتی ہے تاکہ معاشرے کی بہتری کے لیے مباحثہ کے ذریعے فیصلے کئے جاسکیں۔عوامی طور پر طے شدہ اُصولوں کا انحصار معاشی تنظیموں اور سیاسی اداروں کی طرف سے اقدامات پر ہوتا ہے۔یہ عوامی گوشے کے قیاس کی خوبی سے قریب تر ہے جہاں عقلی عوامی بحث ومباحثے کو اہمیت دی جاتی ہے۔لوگ مشترک مفاد کے مسائل پر آزادانہ تبادلہ خیال کرسکتے ہیں۔

میڈیا عوامی گوشے کی تشکیل کے پیچھے ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔تاہم، جدید دور میں عوامی گوشے کا صحیح احساس ختم ہورہا ہے کیوں کہ عوامی مباحثے کے ذرائع ابلاغ آفاقی سطح پر قبول عمومی مفادات کے بجائے مخصوص مفادات کا اظہار کرنے والے ذرائع میں تبدیل ہورہے ہیں۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوامی گوشہ جو متحرک جمہوریت کے لیے لازمی ہے، اسے درحقیقت عوام کی بھلائی کے بجائے مفادات حاصلہ کی تکمیل کے کام پر لگایا جاسکتا ہے۔

مواصلت کے اولین اسکالرز میں شامل ڈینس میک کویل نے 'نظریۂ سماجی ذمہ داری' کے بنیادی اُصولوں کا حسبِ ذیل خلاصہ کیا ہے:

- میڈیا کو معاشرے سے متعلق کچھ ذمہ داریوں کو قبول کرنا اور اُن کو پورا کرنا چاہئے۔
- یہ ذمہ داریاں بنیادی طور پر معلومات افزائی، سچائی، درستگی، مقصدیت اور توازن کے اعلیٰ یا پیشہ ورانہ معیارات کو طے کرتے ہوئے پوری کی جاتی ہیں۔
- ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے اور ان کا اطلاق کرنے میں میڈیا کو قانون اور مسلمہ اداروں کے ڈھانچے کے اندروں خود کو پابند قواعد ہونا چاہئے۔
- میڈیا کو ایسے اشتعال انگیز مواد سے دور رہنا چاہئے جو جرائم، تشدد، یا شہریوں میں بے چینی کا موجب بنے یا اقلیتی گروپوں کو نقصان پہنچائے۔
- مجموعی طور پر میڈیا کو تنوع پسند اور اپنے معاشرے کے تنوع کا عکاس بھی ہونا چاہئے، جس کے لیے وہ مختلف نقاطِ نظر اور حقوقِ ردِعمل کی گنجائش فراہم کرے۔
- معاشرے اور عوام کو کارکردگی کے اعلیٰ معیارات کی توقع رکھنے کا حق ہے، اور عوام کی بھلائی کو محفوظ بنانے کے لیے مداخلت حق بجانب ہوسکتی ہے۔
- صحافیوں اور میڈیا کے پیشہ ور افراد کو بھی معاشرے کے ساتھ ساتھ آجرین اور اپنے شعبے کے تئیں جوابدہ ہونا چاہئے۔

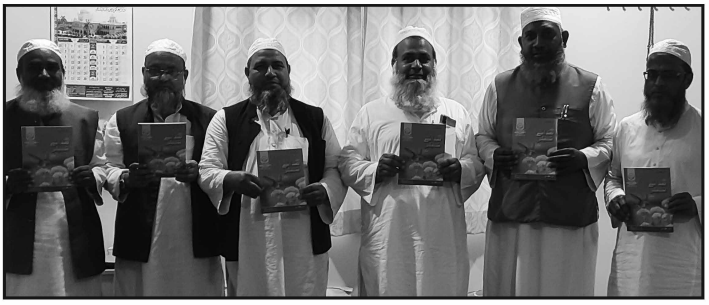

ماہنامہ صدائے شبلی جنوری ۲۰۲۲ء کا شمارہ مدرسہ ابی ابن کعب حیات نگر حیدرآباد میں مولانا ابوالکلام، ایڈیٹر ڈاکٹر مولانا محمد محامد ہلال اعظمی، مولانا حافظ فہیم الدین حافظ زبیر احمد صدیقی، مولانا شریف اللہ خان قاسمی، مولانا منصور احمد قاسمی کے ہاتھوں میں

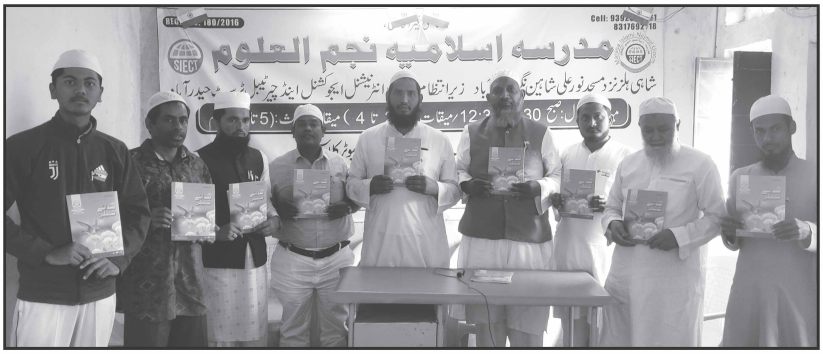

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد
کے زیر انتظام مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہین نگر حیدرآباد میں یوم جمہوریہ کے
موقع پر اساتذہ اور طلباء کے ساتھ
ایڈیٹر ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

ماہنامہ صدائے شبلی جنوری
۲۰۲۲ء کا شمارہ مولانا راشد فضل
قاسمی، محمد وقار حسامی، ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، قاری
محمد شاکر قاسمی، عبدالواحد،
حافظ شمس تبریز، احمد فراز اور
دیگر کے ہاتھوں میں

ماہنامہ صدائے شبلی جنوری ۲۰۲۲ء کا
شمارہ شبلی ٹرسٹ کی زیر تعمیر عمارت
کے سامنے ڈاکٹر مختار احمد فردین
مولانا مساعد ہلال احیائی، محسن
خان، ایڈیٹر ڈاکٹر محمد محامد ہلال
اعظمی کے ہاتھوں میں

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

UNANI CENTER FOR CARDIAC

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.....گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَيْرُكُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَه ۔تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہوجائیں۔اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سو ستائیس (327) گز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جاچکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے۔ماشاءاللہ تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ پہلا چھت پڑ چکا ہے، مزید مراحل کے لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

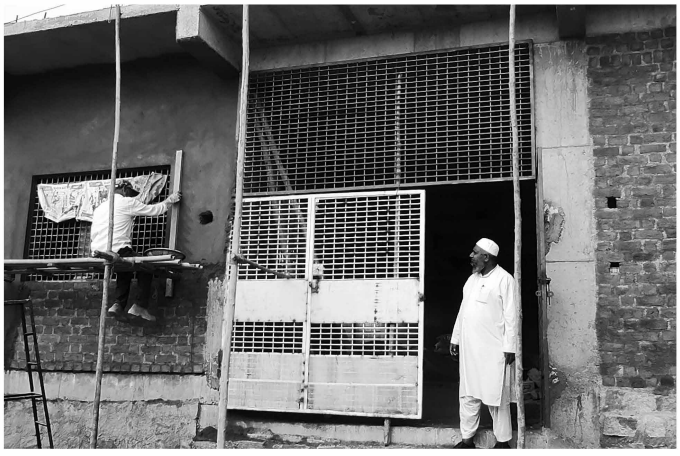

Bank Name: IDBI CURRENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India
Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025
Ph: 011-49539000, Fax: 011-49539099, Website: www.urducouncil.nic.in, E-mail: director@ncpul.in

ایک قدم صفائی کی جانب

26 جنوری یومِ جمہوریہ مبارک

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، حکومت ہند کی سرگرمیاں

- 18 تا 26 دسمبر 2021 کے درمیان 24ویں قومی اردو کتاب میلے کا انعقاد مالیگاؤں، مہاراشٹر میں کیا گیا۔ 'نئی نسل اور اردو' اس کتاب میلے کا تھیم تھا۔ یہ اب تک کا سب سے بڑا اردو کتاب میلہ رہا جس میں تقریباً 1.25 کروڑ روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔
- قومی اردو کونسل نے 'قومی تعلیمی پالیسی اور اردو تعلیم' کے موضوع پر 9/اگست، 2021 کو آن لائن مذاکرہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے 'اردو مرثیے کی ادبی و ثقافتی روایت' کے موضوع پر 2/ستمبر، 2021 کو آن لائن مذاکرہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے 'اردو قصائد کی ادبی و ثقافتی روایت' کے موضوع پر 15/ستمبر، 2021 کو آن لائن مذاکرہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے 'بابائے قوم موہن داس کرم چند گاندھی کی نظر میں ہندوستان کا تصور' کے موضوع پر 30 ستمبر، 2021 کو آن لائن لیکچر کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اشتراک سے مدارس کے اساتذہ کا چھ روزہ آن لائن اورینٹیشن پروگرام 4-11 اکتوبر 2021 کو حیدرآباد میں منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے 'آج کے ہندوستان کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی وراثت' کے موضوع پر 11/نومبر، 2021 کو آن لائن لیکچر کا انعقاد کیا گیا۔
- قومی اردو کونسل نے شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی کے اشتراک سے صوبہ جموں کے اردو صحافیوں اور صحافت کے طالب علموں کی صلاحیت سازی کے لیے پانچ روزہ ورکشاپ 26-30 نومبر، 2021 کو جموں میں منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل کا آدھے گھنٹے کا ہفتہ وار ٹیلی ویژن پروگرام 'اردو دنیا' ہر سنیچر کو رات 8:00 بجے اور ہر اتوار صبح 10:30 بجے نیوز 18 پر ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں اردو زبان وادب، تہذیب وثقافت کی نمائندگی کرنے والی تقریبات کی جھلکیاں، قومی کونسل کی خبریں اور وزارت تعلیم کی اقلیتوں سے متعلق تعلیمی اسکیموں وغیرہ کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔
- قومی اردو کونسل ان اردو اخبارات کی جانب سے یو این آئی کو مالی معاونت فراہم کرتی ہے جو یو این آئی اردو سروس کو سبسکرائب کرتے ہیں۔ یکم اپریل 2021 تا 31 دسمبر 2021 کے دوران 347 اخبارات کی جانب سے یو این آئی اردو سروس کو -/1,64,57,500 روپے کی مالی معاونت فراہم کی گئی۔
- قومی اردو کونسل کی اسکیم ''تھوک خریداری کتب، رسائل و جرائد'' کے تحت مالی سال 22-2021 میں تقریباً ایک کروڑ 9 لاکھ روپے کی اردو، عربی اور فارسی کتب و جرائد کی خریداری عمل میں آئی جن میں 294/ اردو کتابوں کے ساتھ 17 عربی و فارسی کتابیں اور 83 رسائل و جرائد شامل ہیں۔
- ''مالی تعاون اسکیم برائے اشاعت مسودات'' کے تحت مالی سال 22-2021 میں 335 مصنفین کو تقریباً ایک کروڑ 23 لاکھ روپے کی مالی امداد فراہم کی گئی۔
- ''مالی تعاون اسکیم برائے سمینار/کانفرنس اور ورکشاپ'' کے تحت کونسل نے مالی سال 22-2021 میں 268 رضا کار تنظیموں/اداروں کو تقریباً ایک کروڑ 84 لاکھ روپے کی مالی معاونت کی۔
- قومی اردو کونسل نے اپنے اشاعتی پروگرام کے تحت مالی سال 22-2021 میں مختلف موضوعات پر 42 کتابیں اور نصاب کی 44 کتابیں شائع کی ہے۔ اس طرح کونسل کی مجموعی تعداد اشاعت 1443 سے متجاوز ہے۔
- سہ ماہی رسالہ 'فکر و تحقیق' کا ارتکاز تحقیقی موضوعات پر ہے۔ علمی وادبی حلقوں میں یہ علمی و تحقیقی مجلّہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں کلاسیکی ادب، عالمی ادبیات، معاصر ادبی تحریکات و رجحانات پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ سالانہ زرتعاون 100 روپیہ ہے۔
- ماہنامہ 'اردو دنیا' ادب، سماج، ثقافت، سائنس، تکنالوجی اور دیگر عصری موضوعات پر مشتمل ایک مکمل مجلّہ ہے جس کے قارئین کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ 'اردو دنیا کے خصوصی شماروں کو بھی ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ اس رسالے کا سالانہ زرِتعاون 150 روپے ہے۔
- ادب اطفال کو فروغ دینے کے لیے قومی اردو کونسل کا باتصویر رسالہ 'بچوں کی دنیا' آج صرف ہندوستان نہیں بلکہ پوری دنیا میں بچوں کا مقبول ترین رسالہ ہے۔ اس رسالہ میں بچوں کی ذہنی اور تحریری تربیت کے علاوہ دل چسپی کا سارا مواد موجود ہے۔ سالانہ زرتعاون 100 روپیہ ہے۔
- قومی اردو کونسل نے آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کے ترجمان کے طور پر ماہنامہ 'خواتین دنیا' کا آغاز مارچ 2017 سے کیا ہے۔ رسالے میں خواتین کی نگارشات کے ساتھ ساتھ، آرائش و زیبائش، حسن وصحت اور لذیذ پکوان جیسے مستقل کالم بھی ہیں۔
- ekitaab کے نام سے کونسل نے ایک موبائل ایپ تیار کروایا ہے۔ اس ایپ کے ذریعے کونسل کی کتابوں کو موبائل، ٹیب لیٹ اور آئی پیڈ پر پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ اس ایپ کو اپنے موبائل میں Play Store یا App Store کی مدد سے آسانی سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔
- کونسل نے اردو کتابوں کا آن لائن مطالعہ کرنے کے لیے ایک ای لائبریری ویب سائٹ **www.urdu-elibrary.com** بھی تیار کروائی ہے۔ اس پلیٹ فارم کے ذریعے کونسل کی کتابوں کا Unicode میں مطالعہ آپ اپنے کمپیوٹر پر آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔
- کونسل نے اپنی ویب سائٹ **www.urducouncil.nic.in** کو اردو پورٹل میں تبدیل کروایا ہے۔ اب محبان اردو اس پورٹل کے ذریعہ اردو کتابوں، اردو مضامین، ڈکشنری و اردو سیکھنے کے علاوہ بہت سی چیزوں کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
- کشمیر میں پیپر میشی کے ہنر کو اردو کے ذریعے سیکھنے اور فروغ دینے کے لیے چھ مہینے کے کورس کو باقاعدہ ایک اسکیم کے طور پر منظوری دے دی ہے۔ جسے Srinagar CDI کے تعاون سے چلایا جا رہا ہے۔
- کونسل CBSC اور NCSSC کے ساتھ معاہدہ کر رہی ہے تاکہ جس کی مادری زبان اردو ہے اسے (Skill) اسکل کے ساتھ جوڑا جا سکے۔
- قومی اردو کونسل اردو کے فروغ کے لیے کمپیوٹر **(CABA-MDTP)** اردو، عربی اور فارسی ڈپلومہ کورسیز کا اہتمام کرتی ہے۔
- منسٹری آف اسکل ڈیولپمنٹ نے کونسل کے یک سالہ کورس سرٹیفکٹ اِن کمپیوٹر اپلیکیشنز، بزنس اکاؤنٹنگ اور ملٹی لنگول ڈی۔ٹی۔پی **(CABA-MDTP)** کو لیول۔4 کے تحت منظور کیا ہے۔
- فن خطاطی کے فروغ کے لیے قومی اردو کونسل کیلی گرافی و گرافک ڈیزائن کا تربیتی کورس چلاتی ہے۔ اس وقت کیلی گرافی و گرافک ڈیزائن کے 66 مراکز مختلف صوبوں میں قائم ہیں۔
- "BOOKS ON WHEEL" پروگرام کے تحت قومی اردو کونسل دور دراز علاقوں میں موبائل وین کے ذریعے قاری سے اپنا رشتہ استوار کرتی رہی ہے۔ جنوری 2022 میں کونسل کی موبائل وین نے 53ویں دورے کے تحت تلنگانہ، آندھرا پردیش اور کرناٹک میں گشت کیا ہے۔

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد
ڈائرکٹر

One year Diploma course in CABA-MDTP

One year Certificate course in Persian Language

Two years Diploma Course in Functional Arabic

One year Certificate Course in Arabic Language

One year Diploma Course in Urdu Language

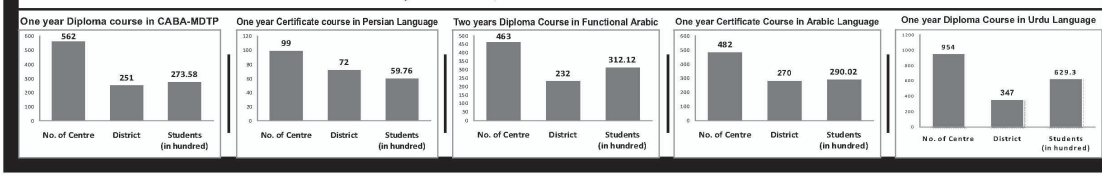

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Feb. 2022

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com